تذکرہ
مشائخ نقشبندیہ
مصنف
علامہ محمد نور بخش توکلی

تذکرہ

مشائخ نقشبندیہ

مصنف

علامہ محمد نور بخش توکلی (ایم اے)

توضیح و تخریج

محمد الیاس عادل

ناشر

مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور

نام کتاب * تذکرہ مشائخ نقشبندیہ
مصنف * علامہ نور بخش توکلی۔ ایم۔ اے
توضیح وتخریج * محمد الیاس عادل
ناشر * مشتاق احمد
باہتمام * سلمان خالد
عربی پروف خوانی * قاری نجم الصبیح
پرنٹرز * اسلم عصمت پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ * گل گرافکس
قیمت * روپے

نوٹ: پروردگارِ عالم کے فضل، کرم اور مہربانی سے، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔

بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہِ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم آپ کے بے حد مشکور ہوں گے۔

ناشر

***

پہلا باب

۳۵۔ حالات سیدنا ومرشدنا خواجہ توکل شاہ انبالوی قدس سرہٗ

(مشتمل بر دوازدہ باب)

ولادت اور نسب شریف:

آپ موضع پکھوکے میں جو ضلع گورداسپور میں موضع رتڑ چھتر اور ڈیرہ بابا نانک کے درمیان واقع ہے۔ قریباً ۱۲۵۵ھ میں پیدا ہوئے۔ والدین کا سایۂ عاطفت نہایت خرد سالی میں سر سے اُٹھ گیا۔ آپ کا کوئی اور بہن بھائی نہ تھا۔ آپ کے نانا صاحب میاں اللہ دین شاہ مست نے جو نوشاہی طریق کے ایک صاحب نسبت درویش تھے اس دریتیم کی پرورش کی۔ ایک موقع پر خود آپ نے فرمایا:۔

"میرے نانا صاحب کے صرف دو بچے تھے۔ ایک والدہ صاحبہ دوسرے ماموں صاحب جو دو مرتبہ انبالہ میں میرے ملنے کو تشریف لائے۔ ماموں صاحب نے شادی نہیں کی۔ تمام عمر تجرد میں بسر کر دی۔[1]

نام مُبارک:

آپ کے نام مبارک میں مختلف اقوال ہیں جن کے ایراد کی چنداں ضرورت نہیں۔ جناب مولوی حاجی سید ظہور الدین بن حضرت مولانا مولوی حاجی حافظ سید سخاوت علی انبہٹوی رحمۃ اللہ علیہ[2] کا بیان ہے کہ حضرت قبلہ سائیں صاحب ایک روز ارشاد فرمانے لگے:۔

---

[1] تذکرہ توکلیہ مولفہ مولوی نور احمد صاحب مرحوم۔ صفحہ نمبر ۱۲۱۔

[2] سید صاحب موصوف گورنمنٹ مڈل سکول انبالہ میں مدرس تھے۔ نومبر ۱۸۸۷ء سے فروری ۱۸۹۴ء تک شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں بلا فصل حاضر ہوتے رہے۔ اور فیض حاصل کرتے رہے۔ راقم الحروف کی التماس پر آپ نے حضرت شاہ صاحب کے مختصر حالات قلم بند فرمائے ہیں۔ جن کا قلمی نسخہ اس وقت زیر نظر ہے۔

ہوتے رہے۔ مگر خاندان مجددیہ میں داخل ہونے کے بعد پرہیز تھا۔ ایک مرتبہ ایک سائل دوتارا بجا کر گاتا ہوا آیا۔ آپ نے کئی مرتبہ فرمایا کہ بغیر دوتارے کے تو گا نہیں سکتا؟ وہ نہ سمجھا۔ آخر یہ کہہ کر اوباؤلے! اُس کو آدھ آنہ دینے کا حکم دیا اور گانے بجانے سے روک دیا۔ نعت شریف جس وقت بھی کوئی سناوے آپ سن لیتے تھے۔

تیسرا باب

مجاہدہ اور مزارات سے استفاضہ

جب حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اجازت لے کر انبالہ میں تشریف لائے تو آپ نے پہلے پہل نند سنگھ کے باغ میں قیام کیا۔ آپ پر حالتِ جذب طاری تھی۔ کسی کو نزدیک نہ آنے دیتے تھے۔ طوائف شہر کچھ نذر یا شیرینی لے کر جاتیں تو رد کر کے ان کو نماز و نکاح کی تاکید فرماتے اور نکال دیتے۔ آپ انبالہ سے دورہ پر جایا کرتے۔ چنانچہ بوڑیہ اور ساڈھورہ میں بہت دفعہ تشریف لے گئے۔ ایک دن فرمانے لگے کہ بوڑیہ میں ابدال اکثر آتے رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے جناب قاری سید اکرام حسین نقوی[1] سے بیان کیا کہ میں بوڑیہ کے جنگل یا ساڈھورہ شریف کے صحراء میں مراقب تھا۔ اثنائے مراقبہ میں ایک سانپ میرے سر پر آکر بیٹھ گیا۔ جب میں مراقبہ سے فارغ ہوا تو سر پر کچھ بوجھ سا محسوس ہوا۔ عمامہ جو اتارا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اُس پر سانپ بیٹھا ہے۔ جب بغور دیکھا تو اُسے فیضان میں بیہوش پایا۔ آخر کار میں نے عمامہ کو جھٹک دیا۔ وہ نیچے گر پڑا۔ مگر اُس سے چلا نہیں جاتا تھا۔

مجاہدات کی کیفیت:

جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب لکھتے ہیں کہ حضور علیہ الرحمۃ مقام پنجلاسہ تحصیل نرائن گڑھ میں بھی رہے۔ فرمایا کرتے کہ حضرت قطب دیارِ عرب حاجی امداد اللہ صاحب ہمارے دوست تھے اور وہ اور ہم دیر تک پنجلاسہ میں رہے ہیں۔ آپ کا معمول تھا کہ دن کو تو

---

[1] سید صاحب موصوف بھی حضرت کے خلفاء میں سے ہیں جیسا کہ جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب نے لکھا ہے۔ آپ نے حضرت کے حالات میں کتاب کمالات توکلی لکھی ہے۔

اور سر پر گھاس کا گٹھا لئے ہوئے مکان پر آئے۔ صاجزادہ صاحب کو تو ہم نے زمین پر بٹھا دیا۔ اور خود گھاس کا گٹھا لیے اندر چلے گئے۔ دروازہ بہت تنگ تھا۔ ہم بدقت تمام اندر پہنچے۔ اس پر صاجزادہ صاحب ناراض ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ گھاس کا گٹھا باہر لا کر اُسی طرح سر پر گھاس اور گود میں مجھے لے کر اندر جاؤ۔ تو میں راضی ہوں۔ بچوں والی ضد تھی۔ مجبوراً ہم بڑی مشکل سے گھاس باہر لائے۔ اور ان کی مرضی کے موافق گھاس سر پر اور ان کو گود میں لے کر نہایت مشکل سے دروازے میں سے اندر گئے اور وہاں گھاس ڈال دی۔ ہم اس طرح صاجزادوں کی دلجوئی کرتے اور محبت سے اُن کی پرورش میں لگے رہتے۔[1] جب ذرا سیانے ہوئے تو آپ دونوں کو انبالہ میں لے آئے اور ان کو تعلیم دلوانے لگے۔

جناب مولوی محبوب عالم صاحب ناقل ہیں کہ ایک شخص ہندوستانی حضور کے پاس بیٹھا تھا۔ اثنائے گفتگو میں اُس کی زبان سے نکلا کہ پنجاب کی زبان بڑی خراب ہے۔ یہ سن کر حضور نے اس کے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور فرمایا کہ تو نہیں جانتا کہ ہمارے خواجہ صاحب پنجاب ہی کے تھے۔ اور ان کی زبان پنجابی تھی۔ تو ہمارے خواجہ صاحب کی زبان کی توہین کرتا ہے۔ وہ نادم ہوا اور معافی مانگی۔

حضرت شمس العارفین خواجہ قادر بخش قدس سرہٗ کے وصال کے بعد آپ حضرت حاجی محمود صاحب جالندھری قدس سرہٗ کی خدمت میں بھی نہایت ادب و نیاز مندی سے حاضر ہوا کرتے۔ تھے۔ چنانچہ اس حاضری کا ذکر حافظ انور علی صاحب رہتکی یوں فرماتے ہیں:۔

"مشفقی ام حکیم معزالدین صاحب دہلوی نے جو حضرت توکل شاہ صاحب کے جاں نثار مریدوں میں تھے مجھے اطلاع دی کہ حضرت شاہ صاحب تشریف لائے ہیں۔ اور حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں گئے ہیں۔ میں بھی وہاں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ مجلس بڑی گرم ہے۔ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حضرت توکل شاہ صاحب باادب بیٹھے ہیں۔ اور حضرت توکل شاہ صاحب کی گرمی نسبت سے طالبوں کے قلب گرم ہو رہے ہیں۔ ایک جانب کو میں بھی بیٹھ گیا۔ پھر حضرت توکل شاہ صاحب نے تحفہ تحائف پارچہ جات وغیرہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت

---

[1] ذکر خیر۔ صفحہ ۲۲۔

میں پیش کئے۔ حضرت حاجی صاحب نے ان سے بڑی شفقت اور عنایت سے باتیں کیں۔ یاد پڑتا ہے حضرت حاجی صاحب ان کے خلیفہ امیر اللہ شاہ صاحب بھی تھے۔ پھر میں نے بھی حضرت شاہ صاحب سے نیاز حاصل کی۔ بڑی عنایت اور شفقت فرماتے رہے۔ پھر شاہ صاحب انبالہ تشریف لے گئے۔ میں نے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں شرح کافی ہائے بلھے شاہ صاحب قصوری انبالہ بھیجی۔ جب دوبارہ حضرت توکل شاہ صاحب انبالہ سے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں جالندھر تشریف لائے تو مجھ سے فرمایا۔ بیلی! شرح کافیوں میں خوب موجیں ماری ہیں۔ باوجودیکہ شاہ صاحب خواندہ نہ تھے۔ ذات وصفات کے مسئلہ میں بڑے بڑے اعلیٰ نکات مجھ سے بیان فرمائے۔ جب حضرت حاجی صاحب کی خدمت سے رخصت ہو کر حضرت شاہ صاحب اپنے قیام گاہ کو تشریف لے جانے لگے تو میں بھی شاہ صاحب کے ہمراہ ہوا۔ اثنائے راہ میں جب شیخوں کے بازار میں پہنچے تو وہاں پیشہ ور طوائفیں کچھ گا رہی تھیں۔ سماع رنگ پر تھا۔ شاہ صاحب نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ بیلی! ہم نے بھی یہ موجیں بہت ماری ہیں۔ مگر جلدی یہاں سے نکلو۔ پھر قدم اُٹھا کر جلد اُس بازار سے نکلے۔ یہ اشارہ شاہ صاحب کا اپنے ایامِ مستی کی طرف تھا۔ مگر چونکہ ان ایام میں سلوک اور پورے ہوش میں تھے۔ باتباع شرع وہاں سے جلد نکلنا ضرور ہوا۔ حضرت توکل شاہ صاحب حضرت حاجی صاحب کا بڑا ادب کرتے تھے۔ اگر جالندھر میں کوئی ان سے بیعت ہونا چاہتا تھا تو بپاس ادب وہاں اُس کو بیعت نہیں کرتے تھے۔[1]

تواضع

جب حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کے پاس لوگ کثرت سے بیعت ہونے آتے تو فرماتے تم لوگ مجھ سے اچھے ہو۔ نمازیں پڑھتے ہو۔ نیک کام کرتے ہو۔ لکھے پڑے ہو۔ میں تو بے علم مسکین بندہ ہوں۔ تم کسی مولوی سے بیعت ہو جاؤ۔ جب وہ نہ مانتے تو یہ کہہ کر بیعت کر لیتے خدایا تو ہی ان کو میرے پاس بھیجتا ہے۔ میں تیرے ہی بھروسہ پر ان کو تیرا نام بتاتا ہوں۔ اور تیرے ہی حوالہ کرتا ہوں۔

اگر کوئی شخص مسجد میں آپ کی تعظیم کے لئے قیام کرتا تو آپ ناراض ہوتے بلکہ قیام کو

---

[1] مقامات المحمود۔ صفحہ ۴۹۔۵۰۔

کرتا ہوں۔ استغفار پڑھتا ہوں مگر پریشانی وہی۔ سوچتا کہ خدایا کیا قصور ہوا۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ آخر قدرت نے مدد کی دل میں خیال آیا کہ ہو نہ ہو یہ اشرفی آفت وبلا ہے۔ فوراً میں نے اُس اشرفی کو سڑک پر پھینک دیا۔ مراقبہ میں دل لگ گیا۔

غصہ کی وجہ:

عبدالرحمٰن خاں صاحب مرادآبادی انبالہ میں نائب تحصیل دار تھے۔ انہوں نے ایک روز آ کر کہا کہ حضور میں کل سے تحصیل دار ہو گیا۔ یہ سنتے ہی حضور کو غصہ آ گیا۔ اور جوش میں فرمانے لگے تحصیل دار ہو گیا تو کیا ہوا۔ اوپر کا سب روپیہ نوکروں اور متعلقین کا ہو گا تو تو وہی پاؤ بھر کھائے گا۔ وہی کپڑا پہنے گا۔ دراصل خان صاحب موصوف دین سے غافل تھے۔ نہ صوم وصلوٰۃ کے پابند نہ رشوت وشراب سے پرہیز۔ اس لئے حضور کو ان کا یہ خبر دینا ناگوار ہوا۔ بار بار جوش میں فرماتے تھے کہ مجھے آ کر یہ کہتا ہے۔ میں نے نماز شروع کر دی۔ فلاں فلاں ممنوعات سے توبہ کر دی۔ مجھے یہ فضول خبر سناتا ہے۔ لاحول ولاقوۃ الاباللہ۔

زکوٰۃ کا مال:

ایک صاحب نے زکوٰۃ کا ایک روپیہ حضور کی نذر کیا۔ آپ کو معلوم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کسی دوسرے غریب کو دے دو۔ اُس نے اصرار کیا۔ مگر مقبول نہ ہوا۔ دوسرے روز آزمائش کے طور پر اُس نے اسی قسم کے تین سو روپے رومال میں پیش کئے۔ حضور گھبرا گئے اور جوش میں اُس رومال کا گوشہ پکڑ کر دور پھینک دیا کہ تو فقیر کو آزماتا ہے۔ ناجائز لاکھ روپے بھی فقیر کے نزدیک برتر از گناہ ہیں اور جوش میں آ کر اُس کو فرمانے لگے کہ دیکھ! خدا نے ہمیں ایسے مال سے ایسے بے پروا کیا ہے کہ ہم نے پھینک دیئے اور تو چگتا پھرتا ہے۔

چغہ پر زری کا کام:

ایک روز فرمانے لگے ایک روز ایک شخص نے ایک چغہ پیش کیا۔ جس پر چاروں طرف آگے پیچھے مونڈھوں پر زری کا بہت زیادہ کام تھا۔ ہم دیکھ کر گھبرا گئے۔ درویش سوال کرنے لگے کہ حضور ہمیں دے دیجئے۔ یہ سن کر ہم اور بھی گھبرا گئے۔ آخر ہم نے اُس چغہ کو جلا دیا۔ اس وقت

اطمینان ہوا۔ درویش کہتے تھے کہ اس میں سے بہت چاندی نکلی۔ ہم نے کہا یہ ہمارے کام کی نہیں ہے۔ تم جانو تمہارا کام۔ انتہی۔

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے حجرے میں کھجور کی چٹائی ہوتی تھی۔ جس پر ایک دری اور چھوٹا سا تکیہ ہوا کرتا۔ موسم سرما میں بجائے چٹائی کے کسیر ہوتی۔ آپ کے اوڑھنے کو کمبل اور ایک سادہ لحاف تھا۔ جسے بعض وقت سائیں مغلی شاہ بھی اوڑھ لیتے تھے۔ آپ کے لنگر میں تمام برتن مٹی کے تھے۔ آپ کا یہ زہد اختیاری تھا۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کو فتوحات بکثرت آتی تھیں۔ مگر جو کچھ آتا آپ اُسے راہِ خدا میں خرچ کر دیتے۔ اور خود زاہدانہ زندگی بسر کرتے۔

توکل:

آپ اسم بامسمیٰ تھے۔ آپ کے توکل میں کبھی فرق نہیں آیا۔ ایک روز ارشاد ہوا کہ ہم نے اپنے توکل کا امتحان کرنا چاہا اور بتنی کنڈ کے جنگل میں جا بیٹھے۔ دو تین دن گزر گئے۔ کھانا نہ آیا۔ ہم نے امتحان کا پورا پورا ارادہ کرلیا تھا۔ بیٹھے ہی رہے۔ آخر ایک دن ایک گوجری کھیر کی ہنڈیا لے کر حاضر ہوئی۔ بعد ازاں دودھ۔ چاول۔ گھی۔ مکھن کثرت سے آنے لگا۔

غیب سے رزق:

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز فرمانے لگے کہ ہم شہر لودھیانہ میں تھے۔ بدیں خیال کہ ہمارا رزق ہمارے ساتھ ہے ہم جنگل میں آگئے۔ ایک بلند ٹیلے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ناگاہ ہماری نظر ایک شخص پر پڑی جو ٹوکری لئے ہوئے ہماری طرف آرہا تھا۔ ہم نے سوچا کہ جب ہم شہر سے چلے آئے ہیں۔ اس شخص سے بھی الگ رہنا چاہیے۔ اس لئے وہاں سے چل پڑے۔ وہ شخص ہمارے پیچھے آیا۔ ہم لپکے وہ بھی لپکا۔ ہم بھاگے وہ بھی بھاگا اور کہنے لگا کہ مجھے تو خدا ہی نے بھیجا ہے۔ یہ سن کر ہم ٹھہر گئے۔ اس کی ٹوکری میں پوریاں حلوا مٹھائی وغیرہ تھا۔ اس نے پیش کیا۔ ہم نے اس میں سے کچھ کھا کر واپس کر دیا۔ انتہیٰ۔

ایک کیمیا گر:

ایک درویش عبداللہ شاہ نامی کیمیا گر حضرت صاحب کا مرید ہو گیا۔ جب اسے رہتے

سہتے چند روز گزر گئے تو اُس نے معلوم کیا حضرت کے لنگر کا خرچ محض توکل پر ہے اور گاہ گاہ لنگر مست بھی ہو جاتا ہے۔ اس لئے اُس نے دو تولہ سونا تیار کر کے آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت صاحب نے کچھ توجہ نہ فرمائی۔ وہ یہ سمجھا کہ حضرت کی کم توجہی کا باعث شاید یہ ہے کہ میں نے سونا تھوڑا بنایا ہے اور سونا بنانے کی ترکیب بھی نہیں بتائی۔ اس لئے وہ عرض کرنے لگا۔ یا حضرت! میں بازار سے دوا لاتا ہوں اور آپ کے ہاتھ سے اکسیر بنوا دیتا ہوں۔ قصہ کوتاہ وہ بازار میں دوا لینے گیا۔ حضرت صاحب کو خطرات آنے لگے۔ آپ نے فوراً اُس کے پیچھے اپنا خادم دوڑایا اور فرمایا کہ اس کیمیا گر کو ہمارے ہاں نہ گھسنے دینا۔ اب وہ بازار میں ہے۔ اُس کا اسباب وہیں اُس کے حوالہ کر دو۔ اُس کے سونا بنانے سے ہماری توجہ الی اللہ اور توکل میں فرق پڑتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

اصلی وراثت:

ذکرِ خیر میں ہے کہ ایک دفعہ کسی سکھ راجہ کا خط حضور علیہ الرحمۃ کی خدمت میں اس مضمون کا آیا۔ کہ ہمارے ہاں لڑکے کی پیدائش کی خوشی میں جلسہ ہے۔ کیا خوب ہو جو آپ جیسے بزرگ بھی اسی جلسہ میں تشریف لائیں اور دُعا کی برکت سے مالا مال کریں آپ کی خاطر مدارات میں پوری کوشش کی جائے گی۔ ضرور تشریف لائیں۔ حضور نے جواب میں لکھوایا۔ ہم ایسے غنی کے دروزے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جس کے دربار کے گداگر بھی تجھ سے بہتر ہیں۔ ہم کو تیری خاطر و مدارات کی کچھ پرواہ نہیں۔ ہم اس کے دروازے سے اُٹھ کر کہیں نہیں جاتے۔ ہماری اصلی وراثت توکل ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کامل عطا فرمائی ہے۔ ہم اُس میں کمی کرنا نہیں چاہتے۔ انتہٰی۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضور علیہ الرحمۃ نے کیا اور خوب فرمایا۔ سچ ہے بئس الفقیر علیٰ باب الامیر۔ (بُرا ہے فقیر دروازے پر امیر کے)۔

آپ کا لنگر۔ ختم شریف۔ مدرسہ تو کلیہ غرض کل کام توکل پر چل رہے تھے۔ جب لنگر بہت وسیع ہو گیا تو کئی مریدوں نے جو اچھے زمیندار تھے عرض کیا۔ کہ حضرت جی! لنگر کے خرچ کے لئے ہم کچھ زمین نذر کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے انکار کیا بلکہ خفا ہوئے اور ایک موقع پر یوں فرمایا کہ جہاں جہاں زمین اور جائدادیں تھیں وہیں فساد ہوئے۔ اور ہم اپنی آنکھوں دیکھ چکے

ہیں۔

لنگر کی کیفیت:

سخاوت آپ کی جبلی تھی۔ مسافر یا سائل کو بغیر کھانا کھلائے نہ جانے دیتے۔ اگر کھانے کا وقت نہ ہوتا۔ تو نقد حسب حیثیت خادم سے دلوا دیتے تاکہ بازار سے کھا لے یا خود بازار سے منگوا دیتے۔ آپ کا لنگر عام تھا۔ جس میں مساوات کا پورا التزام تھا۔ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ واقف ہو یا ناواقف۔ زائر ہو یا محض اجنبی سب کو یکساں ملتا تھا۔ یہ لنگر توکلی اب تک جاری ہے۔ میں نے ایسا حسنِ انتظام کسی اور جگہ نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ اِس لنگر کو تا قیامت جاری رکھے۔ بجاہ حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اکثر یہ دوہرہ پڑھا کرتے تھے۔

آیا ساون سارس بولے اور بولے ڈڈو نام نہ لینا دان نہ دینا لے کیا جا گا کدو

سخاوت وایثار:

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت کے دربار سے کبھی کوئی سائل خالی نہ جاتا خواہ کتنے ہی ہوں۔ اگر کسی سائل کو پیسے دینے کا حکم ہو گیا اور وہ دیر یا کسی اور وجہ سے چلا گیا تو خادموں کو حکم ہوتا کہ جس جگہ ملے تلاش کر کے یہ رقم دو۔ بعض مرتبہ کئی کئی گھنٹے میں وہ سائل ملتا تھا۔ جب خدام آ کر عرض کرتے تھے کہ دے آئے تو حضرت کو اطمینان ہوتا تھا اور چین آتا تھا۔ اگر کسی جگہ سے کوئی رقم بطور نذر آتی تھی تو وہ پیش ہوتے ہی ٹھکانے لگ جاتی تھی۔ جب تک آپ اُس رقم سے اپنا تعلق الگ نہ کر لیتے تھے کوئی دین یا دنیا کا کام نہ کرتے تھے[1]۔ نقد میں کچھ حصہ فقرا و خدام کا تھا۔ اُس میں حضور کا وجود باوجود شامل نہ ہوتا تھا۔ اگر کوئی رقم نہ آتی اور سابق

---

[1] حضور علیہ الرحمۃ کا یہ خُلق اخلاقِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم سے تھا۔ چنانچہ حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ایک روز میں نے نمازِ عصر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی۔ تو آپ سلام پھیرتے ہی گھر کے اندر تشریف لے گئے۔ پھر جلدی نکل آئے۔ صحابہ کرام کو تعجب ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے نماز میں خیال آ گیا کہ صدقہ کا کچھ سونا گھر میں پڑا ہے۔ مجھے پسند نہ آیا کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑا رہے۔ اس لئے جا کر اُسے تقسیم کرنے کے لئے کہہ آیا ہوں (صحیح بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب۔ یفکر الرجل فی الصلوٰۃ) اس طرح کی اور مثالیں بھی احادیث میں ملتی ہیں۔

آمدہ ختم ہو جاتی تو حضور فاقہ سے رہتے تھے۔ جب تک لنگر میں کچھ آمدنہ ہو خدام کو اجازت نہ تھی کہ تم جس جگہ سے ملے کھاؤ۔ اس کو حضور کی اصطلاح میں لنگر مست کہتے تھے۔ اگر کوئی مہمان لنگر مست کے وقت آجاتا تو قرض لے کر مہمان کی میزبانی فرماتے تھے اور آپ بدستور فاقہ سے رہتے تھے۔ انتہیٰ۔

سوال رد نہ کرنا:

آپ کسی کے سوال کو رد نہ فرماتے۔ اگر موجود ہوتا تو عطا فرماتے۔ اگر پاس نہ ہوتا تو قرض لے کر دیتے یا وعدہ فرماتے۔ چنانچہ جناب مولوی محبوب عالم صاحب لکھتے ہیں۔ کہ یہ میرا مشاہدہ ہے کہ ایک دفعہ کسی نے دہلی سے خط لکھا کہ حضور میں بہت تنگدست ہوں۔ گزارہ کی کوئی صورت نہیں۔ حضور میرے واسطے ہمت اور دُعا فرمائیں۔ حضور نے حسب عادت اُس کے واسطے دعا فرمائی کہ الٰہی تو اُس پر حلال روزی کھول دے اور جواب لکھوا دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اُس نے پھر خط میں لکھا کہ میں بہت تنگدست ہوں۔ حضور کو بہت ہی خیال آیا۔ پوچھا کہ کچھ ہے۔ درویشوں نے کہا کہ حضور اس وقت تو ایک پیسہ بھی نہیں۔ حضور علیہ الرحمۃ نے محمد علی شاہ سے ایک روپیہ قرض لیا اور بذریعہ منی آرڈر اُس کے پاس بھیج دیا۔ اور لکھوا دیا کہ فی الحال تم اِس کو کھاؤ۔ تمہارا کام خدا آسان کر دے گا۔ چنانچہ اس روپیہ کے خرچ کرتے کرتے اُس کا کام لگ گیا اور روزی کھل گئی۔ پھر اُس نے خط لکھا کہ حضور کی بخشش کے ساتھ ہی میرا کام آسان ہو گیا۔ انتہیٰ۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ قرض لے کر دینا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ سے تھا۔

ایثار کی کیفیت:

ذکر خیر میں ہے کہ حضور علیہ الرحمۃ کی عادت مبارک تھی کہ جو چیز حضور کے بدن پر کپڑے کی قسم سے یا کوئی اور عمدہ شے ہوتی۔ اور کسی نے اُس کی تعریف کر دی کہ حضور! یہ آپ کے جسم پر بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ فوراً اتار کر کسی کو دے دیتے۔ چنانچہ ایک بار کا ذکر ہے کہ کوئی مرید حضور کے پاس ایک بہت قیمتی کرتہ جس کی لاگت متعدد روپے ہوں گے نذر لایا۔ حضور نے اُس کو پہنا۔ حاضرین میں سے کسی نے تعریف کر دی کہ حضور! یہ بہت ہی اچھا ہے۔ یہ سُن کر فوراً اُتار دیا اور فرمایا کہ یہ ہمارے مولوی صاحب کو دے دو۔ چنانچہ میں نے وہ کرتہ لے کر پہن

لیا۔ فرمایا۔ مولوی صاحب اس کرتہ کو اپنے گھر بھیج دو۔ یہاں نہ رکھو۔ میں نے عرض کیا۔ حضور! اس میں کیا مصلحت ہے۔ فرمایا۔ ہم نے اِس کو ایثار کیا ہے۔ تم ہمارے پاس رہتے ہو اور ہمارا کام کرتے ہو۔ تو گویا ہمارے کام میں آیا۔ اس کا یہاں رہنا ایثار کے خلاف ہے۔ اس طرح ایثار میں نقصان آتا ہے۔ چنانچہ حسب ارشاد روانہ کر دیا گیا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمانہ سے تھا کہ اگر آپ کے پاس کوئی چیز ہوتی اور دوسرا اُس کی تحسین کر دیتا تو فوراً اُسے عطا فرما دیا کرتے۔ چنانچہ ایک عورت نے آپ کی خدمت اقدس میں اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی چادر پیش کی۔ ایک صحابی نے اُس کی تحسین کر دی۔ آپ نے اُسی کو عطا فرما دی۔ جیسا کہ شمائل ترمذی میں مذکور ہے۔ بخوفِ طوالت ہم شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے ایثار کی زائد مثالیں یہاں درج نہیں کرتے۔

غیرت وحمیت:

صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو کوئی مخالف شرع امر دیکھے تو اُسے چاہئے کہ اُسے ہاتھ سے بدل دے یعنی زورِ بازو سے لوگوں کو اُس سے روکے۔ اگر ہاتھ سے منع نہ کر سکے تو زبان سے منع کرے۔ اگر زبان سے بھی منع نہ کر سکے تو دل سے اُسے برا جانے۔ اور یہ ضعیف ترین ایمان ہے۔ انتہیٰ۔ جناب مولوی محبوب عالم صاحب لکھتے ہیں کہ جس مکان میں مائی صاحبہ رہتی تھیں اُس کے پاس والے مکان کی چھت پر ایک شخص پہلوان کھڑا دکھائی دیا۔ اُس کے اِس طرح چھت پر چڑھنے سے بے پردگی ہوتی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ بھائی شریعت کا حکم ہے کہ اِس طرح چھت پر نہیں چڑھا کرتے۔ اُس نے نہ مانا اور کہا میں تو ہمیشہ چڑھا کروں گا۔ حضور نے پھر اُس کو روکا مگر وہ نہ مانا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ او ہم تجھے شریعت کا مسئلہ بتاتے ہیں۔ اس طرح چھت پر نہ چڑھا کر۔ اُس نے کہا آپ کی شریعت دیکھی ہوئی ہے۔ فرمایا۔ ہیں! اتنا فرماتے ہی نہ معلوم کس ذریعہ سے حضور لاٹھی ہاتھ میں لئے چھت پر نظر آئے اور مار مار کر اُسے بیہوش کر دیا۔ دوسرے روز وہ خدمت میں حاضر ہوا اور توبہ کی۔ انتہیٰ۔ اس واقعہ سے حضور علیہ الرحمۃ کی غیرت دینی کا اندازہ بخوبی لگ سکتا ہے۔

شفقت و مرحمت:

آپ کی شفقت عامہ خلق پر تھی۔ ایک دفعہ آپ کے پڑوس میں ایک چمار مر گیا۔ جب تک اُس کی لاش کو نہ لے گئے۔ حضور نے کھانا نہ کھایا۔ جب اُس کو جلانے کے واسطے لے گئے تو پھر مسجد میں جا کر تھوڑا سا کھایا اور فرمایا کہ پڑوسی ہے۔ جب ان پر غم ہے تو ان سے الگ ہو کر کھانا چاہئے۔

پہلے پہل جب حضور نے اپنے پیر و مرشد کا عرس مبارک انبالہ میں شروع کیا تو ہمسائگان جو چمار وغیرہ تھے سب کو خشک رسد دلوایا کرتے اور فرماتے کہ یہ پڑوسی ہیں ان کا بھی حق ہے۔ مگر بعدازاں جب چماروں نے خود انکار کیا تو رسد بند کر دی گئی۔

اگر کسی خطا کی وجہ سے آپ کسی درویش پر خفا ہو کر اُس کو مکان سے نکلوا دیتے تو اُس کا کھانا لنگر سے موقوف نہ ہوتا۔ وہ جہاں شہر میں ہوتا۔ اُس کا کھانا وہاں بھجوا دیتے۔ اور فرماتے کہ فقیر متصف باخلاق الٰہی ہوتا ہے۔ وہ رزاق مطلق گناہ کے سبب سے کسی کی روزی بند نہیں کرتا

ولیکن خداوند بالا و پست
بعصیاں در رزق بر کس نہ بست

یتامےٰ و مساکین و بیوگان پر آپ بڑی شفقت فرماتے اور ان کی خبر گیری کرتے۔ اکثر بیوگان کی روٹی لنگر سے مقرر تھی۔ پردہ دار بیوگان کو وظیفہ کے طور پر عطا فرمایا کرتے۔ جب کوئی یتیم بچہ آپ کے سامنے آتا تو اُس کے سر پر دستِ شفقت پھیرا کرتے۔ اور ہر طرح اُس کی مدد فرماتے۔ عام بچوں کو مٹھائی اور بتاشے دلوا دیا کرتے۔ اپنی مجلس میں کسی کی غیبت سننا گوارا نہ فرماتے بلکہ فاسق فاجر کی بھی غیبت نہ ہونے دیتے تھے۔

پرندوں پر شفقت:

انسان تو درکنار پرندوں پر بھی آپ کی شفقت تھی۔ چنانچہ صاحب ذکرِ خیر لکھتے ہیں کہ آپ کی عادت مبارک تھی کہ گیارہ بجے دن کے حجرہ کا دروزہ کھولتے تو اپنے سامنے چڑیوں کو دانے ڈلوایا کرتے اور الگ برتن میں پانی رکھوا دیتے تاکہ وہ بھی کھائیں پئیں۔ ایک روز آپ باہر تشریف لائے ایک چڑیا دانے چُگ رہی تھی وہ کواڑوں کی آواز سُن کر اُڑ گئی۔ آپ فرمانے لگے

۔افسوس یہ بھوکی تھی۔اب جب تک یہ چڑیا آکر دانے نہ چگ لے گی ہم کھانا نہ کھائیں گے۔
درویشوں کو سخت تردد ہوا۔انہوں نے چاہا کہ کسی اور چڑیا کو پکڑ کر دانے چگا دیں۔آپ نے فرمایا۔
بھوکی تو وہ چڑیا تھی۔جب تک وہی دانے نہ چگے گی ہم کھانا نہ کھائیں گے۔وہ چڑیا اڑ کر روشندان
میں جا بیٹھی۔فرمایا۔بھولی آجا۔اب چگ لے وہ فوراً آئی اور اُس نے دانے چگے۔جب وہ پیٹ
بھر چکی فرمایا۔اب کھانا لاؤ ہم بھی کھائیں گے۔بارہا دیکھا گیا کہ جب آپ حجرہ سے باہر درود
خوانی میں مشغول ہوتے تو چڑیا آکر کوئی زانو مبارک پر بیٹھ جاتی اور کوئی سر مبارک پر۔اور فیضان
میں محو ہو جایا کرتیں۔انتہے۔

صاحب تذکرہ تو کلیہ لکھتے ہیں کہ حضور کو جانوروں پر بھی۔اس قدر رحم تھا کہ جو کچھ حضور
نوش فرماتے اُس میں سے چڑیوں کا حصہ بھی رکھوا دیا کرتے تھے۔حتیٰ کہ برف میں سے بھی
پرندوں کا حصہ نکلتا۔ایک دفعہ ایک درویش نے چڑیا کا حصہ کھالیا۔اور اُس نے یہ سمجھا کہ مجھے
عنایت ہوا ہے حضرت گھبرا گئے۔اس نے معافی چاہی۔فرمایا کہ تو نے چڑیا کا حصہ کھایا ہے۔اس
سے معاف کرا۔پرایا حق کیوں کھایا۔پھر اس درویش نے اپنے حصہ میں سے چڑیوں کو کھلایا۔
ایک دن ایک چڑیا پانی پی رہی تھی۔حضرت وضو کرنے لگے۔وہ اُڑ گئی۔حضرت کو سخت رنج ہوا۔
فرمایا کہ جب تک یہ چڑیا دوبارہ آکر پانی نہ پی لے۔ہم وضو نہ کریں گے۔چنانچہ جب اُس چڑیا
نے پانی پی لیا تو آپ نے وضو کیا۔

عفوودرگزر:

اگر درویشوں میں سے کسی سے کوئی خطا سرزد ہوتی تو آخر کار آپ معاف فرمادیا
کرتے۔اپنے تو درکنار بیگانے بھی جب صدق دل سے معافی طلب کرتے تو خواہ کتنا ہی سخت
جرم ہوتا آپ درگزر فرماتے۔چنانچہ ذکر خیر میں ہے کہ جب لیکھرام آریہ مارا گیا تو ہندوؤں کو یہ
خیال ہوا کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے لوگوں کو ہلاک کیا جائے۔چنانچہ اکثر مقامات میں علماء و
صلحاء کو کسی نہ کسی حیلہ سے زہر دیا گیا۔ایک رات بارہ بجے کے بعد دو ہندو مسلمانوں کے بھیس
میں بارادۂ قتل حضور کے پاس آئے۔آپ اُس وقت تنہا مراقب تھے۔تھوڑی دیر کے بعد آپ نے
سر مبارک اُٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔وہ دونوں کانپ گئے۔آپ نے حسب عادت اُن سے پوچھا

کہ کس کام کے واسطے آئے ہو؟ مارے ہیبت کے وہ بول نہ سکے۔ آخر کار نامراد واپس چلے گئے۔ دوسرے روز علی الصباح وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دست بستہ عرض کی کہ ہم سے بڑی خطا ہوئی۔ ہندوؤں نے ہمیں لالچ دیا تھا اس لئے ہم شب کو آپ کو قتل کرنے کے لئے آئے تھے ہماری تمام رات بے چینی میں گزری ہے۔ خدا کے واسطے آپ ہماری خطائیں معاف فرمائیں اور ہمیں مسلمان کرلیں۔ چنانچہ حضور نے ان کی خطا معاف فرمائی۔ اور دونوں کو مسلمان کر کے رخصت کیا۔

عدل کی کیفیت:

قرآن مجید (سورہ نساء۔ رکوع اول) ایک مرد کے لئے چار عورتوں تک اجازت ہے۔ اگر یہ ڈر ہو کہ ان عورتوں میں عدل نہ کر سکے گا۔ تو اُس صورت میں ایک ہی عورت سے نکاح کرے۔ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس عدل کی یہ تشریح کی ہے کہ اپنی منکوحات کو کھانے اور لباس اور شب باشی و موانعت میں برابر رکھے۔ اب حضور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے عدل پر غور کیجئے جب آپ بڑی اہلیہ صاحبہ کے مکان پر تشریف لے جاتے تو جس حالت وہیئت میں وہاں جاتے اُسی حالت وہیئت میں چھوٹی اہلیہ صاحبہ کے مکان پر تشریف لے جاتے۔ ایک دفعہ بڑی اہلیہ صاحبہ کے ہاں سرمہ لگا کر تشریف لے گئے تھے۔ چھوٹی اہلیہ کے ہاں تشریف لے جاتے وقت سرمہ لگانا بھول گئے۔ مکان پر پہنچ کر یاد آیا۔ وہیں سے لوٹ آئے۔ اور اُسی قدر سلائیاں سرمہ کی ڈال کر پھر تشریف فرما ہوئے۔ اسی طرح سے جن کپڑوں میں حضور ایک کے ہاں جاتے۔ انہیں کپڑوں میں دوسری کے ہاں جاتے۔ ایک روز ایک کے ہاں تشریف لے جاتے وقت عصا ہاتھ میں تھا۔ دوسری کے ہاں جاتے ہوئے خالی ہاتھ تھے۔ پھر جو یاد آیا وہی عصا ہاتھ میں لئے تشریف لے گئے جس قدر باتیں زبان مبارک سے ایک کے ساتھ کرتے اُسی قدر دوسری سے کرتے۔ ایک کم و بیش نہ ہوتی۔ اور وقت کا اندازہ بھی اُسی قدر رہتا نہ کم نہ زیادہ۔

جناب مولوی محبوب عالم صاحب لکھتے ہیں کہ ایک روز میں تازی اور نرم چھوٹی چھوٹی دو ککڑیاں حضور کی خدمت میں لے گیا۔ حضور اُس وقت گھر میں موجود تھے۔ مائی صاحبہ کو پردہ میں فرما کر مجھے اندر بلا لیا۔ میں نے وہ پیش کیں۔ ایک تو حضور نے وہاں ایک چھوٹا بچہ کسی کا کھیل رہا

تھا۔ اُس کو دے دی۔ دوسری کو اندر بھیجنے کا حکم دیا۔ ابھی وہ دروازے کے باہر ہی تھی کہ واپس منگانے کا ارشاد ہوا اور فرمایا کہ آدھی یہاں دو۔ آدھی دوسرے گھر میں بھیج دو۔ میں نے عرض کیا۔ حضور یہ اس جگہ دے دی جائے میں دوسری لا کر وہاں پہنچادوں گا۔ فرمایا شاید تمہیں یاد رہے یا نہ رہے اور اس سے مقدار میں کم ہو یا زیادہ میں نے عرض کیا۔ نہیں حضور اسی قدر ہوگی۔ فرمایا اچھا اس کو ناپ لو۔ اسی قدر رہے کم و بیش نہ ہو۔ میں نے اُس کا ناپ لے لیا۔ اور پھر اُسی ناپ کی لکڑی لا کر حضور کو دکھلا دی اور وہ دوسرے گھر بھیج دی۔ حضور کو عدل کا اس قدر خیال تھا کہ دوسرا کوئی نہیں کرسکتا۔ جب حضور کے وصال کا وقت نزدیک آیا۔ تو چھوٹی مائی صاحبہ نے بڑی مائی صاحبہ کو جن سے حضور پہلے مل آئے تھے اپنے مکان میں آکر زیارت کرنے کی اجازت نہ دی۔ کیونکہ مکان اِن کی مِلک تھا۔ حضور نے فرمایا ہم کیا کریں۔ مکان ان کی ملک ہے۔ پھر دوبارہ ان چھوٹی مائی صاحبہ نے زیارت کرنی چاہی تو فرمایا کہ اب ہم نہیں مل سکتے کیونکہ تم سے مل کر پھر اُن سے ملنا پڑے گا اور وقت اخیر ہے۔

تقویٰ:

حضور علیہ الرحمۃ کی عادت تھی کہ کھانا کھاتے ہوئے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت کو لقمہ سے دور رکھا کرتے تھے۔ اس کی وجہ دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ ہم نے مکاشفہ میں دیکھا کہ ایک خوبصورت عورت جنگل میں بیٹھی ہے۔ ہزارہا مولوی و عامل اور قسم قسم کے لوگ طرح طرح کے حیلوں سے اُسے اپنی طرف مائل و متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر وہ کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتی۔ ہم نے جو دیکھا کہ یہ عورت ہے اُس کی طرف نظر نہ کی اور وہاں سے چلے آئے۔ وہ بھی ہمارے پیچھے پیچھے چلی اور کہنے لگی۔ حضرت! آپ کیوں تشریف لے جاتے ہیں۔ میں آپ کی خدمتگار و فرمانبردار ہوں۔ مگر ہم نے ایک نہ سُنی اور بھاگنے لگے وہ بھی بھاگنے لگی۔ اور کہتی تھی کہ اگر آپ حُجرے میں تشریف لے جائیں گے میں وہاں بھی حاضر ہوں گی۔ چنانچہ ہم نے حجرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ مگر وہ سوراخوں میں سے اندر داخل ہو گئی۔ ہم ہر چند اُسے نکالنا چاہتے تھے۔ مگر وہ نہ نکلتی تھی۔ آخر ہم نے اپنی انگشت شہادت مار کر اُسے حُجرے سے نکال دیا۔ وہ حُجرے کے دروازے کے پاس ہی باہر نکل کر بیٹھ گئی۔ ہم نے اُس کا نام پوچھا تو کہا

کہ میں دنیا ہوں۔ اپنے عاشقوں کو ذلیل کرتی ہوں۔ مگر عاشقانِ الٰہی کی خدمت کرتی ہوں۔ لہٰذا میں یہاں سے ہرگز نہ جاؤں گی۔ اس تقریر کے بعد حضور علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ہم نے جو اس کو اس انگشت شہادت سے مار کر حجرے سے نکالا تھا۔ یہ انگلی اس کے بدکو چھوگئی تھی۔ اس لئے ہمارا دل نہیں چاہتا کہ اس انگلی کو کھانے کی چیز پر لگائیں۔

حضور علیہ الرحمۃ کوئی جائداد اپنی ملکیت میں نہ رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ مکان اور حجرہ وغیرہ بھی سب حضرت مائی صاحبہ کی مِلک تھے۔ آپ نے اپنے نام پر کوئی شے نہ لی تھی۔ اور نہ آپ کوئی چیز اپنی ملک قرار دیتے تھے۔ اگر مائی صاحبہ کسی درویش سے ناراض ہوکر فرماتیں کہ ہمارے مکان سے نکل جا۔ تو حضور اُس درویش سے حُجرے میں نہ ملتے۔ فرماتے کہ یہ اُن کی مِلک ہے اور وہ تجھ سے ناراض ہیں۔ ہم تجھ سے ناراض نہیں اور حجرے سے باہر تشریف لاکر گلی میں ملتے۔

صاحب ذکر خیر لکھتے ہیں کہ اگر حضور علیہ الرحمۃ سے کبھی کوئی فعل مکروہ تنزیہی صادر ہوگیا۔ تو اُس کا کفارہ خود ہی مقرر فرما کر مسکینوں محتاجوں، یتیموں، بیواؤں کو تقسیم کراتے۔ کبھی چھ روپے کبھی بارہ روپے میں نے بارہا حضور کا ایسا صدقہ دیا ہوا تقسیم کیا ہے۔ ہمارے نزدیک تو آپ کا کوئی فعل مکروہ تنزیہی بھی معلوم نہ ہوتا تھا۔ مگر آپ خود ہی فرمادیا کرتے تھے اور فرماتے حسنات الابرار سیئات المقربین۔ نیز فرماتے کہ کامل مومن وہ ہے جو خود منصف ہوکر اپنے اعمال کی چھان بین کرتا رہے اور جو چیزیں گندی ہیں اُن کو خد ہی نکالتا رہے۔

حضور علیہ الرحمۃ تین شخصوں کی نذر کسی حال میں قبول نہ فرماتے۔ (۱) ڈوم میراسی کی (۲) طوائف کی اس واسطے کے گانے بجانے کا پیشہ کرتی ہیں۔ (۳) یتیم بچے کی کہ وہ قابل رحم و پرورش ہے۔ میرے سامنے اکثر میراسی نذر لاتے قبول نہ فرماتے اور جواب دیتے کہ تم گا بجا کر یہ پیدا کرتے ہو۔ ایک دفعہ ایک یتیم بچہ کی ماں نے نذر پیش کی۔ حضور نے نہ لی۔ تو اُس نے عرض کیا کہ حضور! میں اِس بچہ کی ملکیت سے نہیں دیتی۔ یہ خاص میری مِلک ہے حضور نے فرمایا۔ اچھا یہ بھی اِسی کی پرورش میں صرف کردینا۔ اگر کوئی عورت نذر لاتی تو حضور دریافت کرتے کہ یہ نذر تو اپنی مِلک سے لائی ہے یا اپنے خاوند کے مال میں سے۔ اگر وہ کہتی کہ میں اپنی ذاتی مِلک سے لائی ہوں۔ تب تو قبول فرمالیتے اور اگر کہتی کہ خاوند کے مال سے لائی ہوں۔ تو فرماتے کہ اچھا

پہلے اُس سے اجازت لو پھر لاؤ۔ یہاں تک حضور کو اتقاء کا خیال تھا۔ انتہٰی

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ایک دفعہ میں نے کچھ نقدی پیش کی۔ حضور علیہ الرحمۃ نے تامل فرمایا اور پوچھا۔ کیا تمہیں چکی سے تنخواہ ملتی ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا۔ اور مولوی سراج الدین صاحب نے جو اُس وقت حاضر خدمت تھے میری تائید کی۔ تو قبول فرمائی۔

چھٹا باب

مکاشفات وواقعات

سیر وسلوک سے مقصود صور واشکال کا دیکھنا نہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ امر استدلالی کشفی، عیانی ہو جائے جیسا کہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے۔ ہم اس باب میں حضور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے مکاشفات درج کرتے ہیں تا کہ علاوہ دیگر فوائد کے ایک حد تک حضرات خواجہ بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد مبارک کی توضیح بھی ہو جائے۔

ملائکہ کرام علیہم السلام:

جناب مولوی سراج الدین صاحب حضرت شاہ صاحب قبلہ سے حسب ذیل روایت کرتے ہیں۔

فرشتے کا وظیفہ

فرمایا کہ ہم نے دیکھا کہ ایک فرشتہ نورانی سبحان اللہ وبحمدہ کے ساتھ نغمہ سرائی کر رہا ہے اس نے ہم سے کہا کہ ایک آدھ تسبیح درود شریف کی بھی پڑھ لیا کرو۔ اس دن ہمارا درود شریف قضا ہو گیا تھا۔ اس واقعہ کو جناب مولوی محبوب عالم صاحب یوں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز ارشاد فرمایا کہ ہمارا ہمیشہ معمول تھا کہ عشا کے وقت درود شریف کی دو تسبیح پڑھ کر سوتے تھے۔ اتفاقاً ایک دن قضا ہو گئیں۔ ہم نے وضو کرتے ہوئے دیکھا کہ فرشتے بہت ہی خوش الحانی سے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کر رہے ہیں اور اثنائے تعریف میں کہہ رہے ہیں کہ وضو کرنے والو! دو تسبیح درود شریف کی پڑھ لیا کرو قضا نہ کیا کرو۔

(۲) فرمایا کہ بار د گر دیکھا کہ بندہ سبحان اللہ پڑھتا ہے اور کاتب یمین جھٹ ہمارے نام لمبے لمبے حرف لکھ رہا ہے۔

رزق کی تقسیم:

فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم فجر کی سنت پڑھ کر بیٹھے تھے کہ دیکھا کہ ایک فرشتہ رزق تقسیم کر رہا ہے۔ اور سب حاضرین مسجد کے آگے گندم کے ڈھیر لگا رہا ہے۔ اس نے ہمارے سامنے سے زیادہ ڈھیر لگایا۔ معلوم ہوا کہ یہ وقت[1] تقسیم روزی کا ہے۔ انتہی

صاحب ذکر خیر لکھتے ہیں:

کراماً کاتبین کا تذکرہ:

ایک روز کراماً کاتبین کا تذکرہ تھا کہ وہ دائیں بائیں رہتے اور بندوں کے نیک و بد اعمال لکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں بے شک لکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم سکرت کی حالت میں تھے۔ ہم نے دیکھا کہ دو شخص جن میں سے ایک ہمارے دائیں تھا اور دوسرا بائیں۔ کاغذ قلم ہاتھ میں لیے کھڑے ہیں۔ ان کی عجیب ہی حالت دیکھی۔ وہ اس طرح تحریر نہیں کرتے جس طرح یہ لوگ لکھتے ہیں۔ ان کی تحریر اوپر سے نیچے کو ہوتی ہے۔ اور یہ بات بھی نہیں کہ جب آدمی بات یا کوئی فعل اچھا برا کر چکے۔ تب ہی اسے لکھیں۔ بلکہ ایسا دیکھنے میں آیا ہے کہ آدمی کی زبان اور ان

---

[1] حدیث شریف میں بھی ایسا ہی آیا ہے۔ چنانچہ قطب شعرانی لکھتے ہیں۔

کان انس رضی اللہ عنہ یقول دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی فاطمۃ رضی اللہ عنہا بعد صلوۃ الصبح فوجدھا مضطجعا فجر کھابر جلہ ثم قال لھایا نبیۃ قومی فاشھدی رزق ربک ولا تکونی من الغافلین فان اللہ یقسم ارزاق الناس مابین طلوع الفجر الی طلوع الشمس (کشف الغمہ۔ جزء ثانی۔ ص ۳)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لے گئے۔ تو ان کو لیٹی ہوئی پایا۔ پس اپنے پاؤں مبارک سے انہیں ہلا دیا۔ پھر ان سے فرمایا۔ اے پیاری بیٹی! اٹھ اپنے پرودگار کے رزق میں حاضر ہو اور غافلین سے نہ بن۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے رزق طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک کے درمیان تقسیم فرماتا ہے۔ انتہی۔

کے ہاتھ کے درمیان کچھ ایسی کل ہے کہ ادھر زبان ہلی اور اُدھر ان کا ہاتھ ہلا۔ اِدھر وہ بند ہوئی اُدھر ان کا ہاتھ بھی رُک گیا۔ اور یہ بات بھی نہ تھی کہ رُکنے کے بعد کاغذ سے قلم الگ ہو جاتا ہو یا دوات وغیرہ کی طرف لے جانا پڑتا ہو۔ بلکہ اُن کے قلم میں کچھ نوری سیاہی نظر آتی تھی۔ اور ہاتھ اور قلم کاغذ سے اُٹھتا نہیں تھا بلکہ وہیں ٹھہرا رہتا تھا۔ جب پھر زبان سے کوئی بات نکلتی۔ تو اُن کی تحریر شروع ہو جاتی۔ چنانچہ ایک دفعہ میں نے دانستہ سکوت کیا۔ تو وہ بھی خاموش ہو رہے۔ پھر میں نے زبان ہلائی تو ان کا ہاتھ بھی ہلا۔ پھر میں نے تسبیح پڑھنی شروع کی۔ تو انہوں نے بھی جلدی جلدی بڑی سرعت سے لکھنا شروع کیا۔ اور یہ بھی نظر آیا کہ دائیں جانب والا نیک عمل لکھتا ہے اور بائیں طرف والا بد عمل۔ اُس روز سے میں نے یہ عادت کر لی کہ ہر وقت تسبیح اور ذکر و شغل میں ہی اپنی زبان کو ہلاتا ہوں۔ تا کہ میرے نامہ اعمال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر زیادہ ہو۔

ملک الموت کی باتیں:

ایک روز فرمانے لگے کہ سکرت کی حالت میں ہم سے ایک شخص ملے۔ ہم نے پوچھا آپ کون ہیں؟ اُس نے کہا میں ملک الموت ہوں۔ ہم نے پوچھا کہ جانیں تم ہی قبض کیا کرتے ہو۔ اس نے کہا۔ ہاں۔ میں ہی قبض کیا کرتا ہوں۔ ہم نے پھر پوچھا کہ میرے پیر اور دادا کی جان آپ نے ہی قبض کی تھی۔ کہا ہاں۔ میں نے ہی کی تھی۔ پھر پوچھا کہ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ کس طرح ان کی جان قبض کی تھی۔ کہا جس طرح جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی کی تھی۔ ہم نے کہا۔ اچھا حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کی جان کس طرح قبض کی تھی۔ کہا کہ ایک سیب بہشت سے لاکر ان کو سونگھایا تھا۔ اُس کی خوشبو کے ساتھ ہی روح اللہ اللہ کرتی ہوئی حضور الٰہی میں چلی گئی تھی۔ پھر ہم نے کہا کہ بھلا اب یہ بتلاؤ کہ ہماری جان کس طرح قبض کرو گے؟ کہا کہ خدا تعالیٰ کوئی اس سے بھی بہتر صورت کرے گا۔ اور اسی طرح میں عمل کروں گا۔

نور کی چادر:

ایک روز فرمانے لگے۔ کہ ہم نے بچپن میں وعظ سنا کہ جب کوئی نمازی وضو شروع کرتا ہے۔ تو اس پر چار فرشتے نور کی چادر تان دیتے ہیں۔ جب وضو کرنے والا ایک بات کرتا ہے تو ایک فرشتہ چادر کا ایک گوشہ چھوڑ دیتا ہے۔ دوسری بات کرے تو دوسرا۔ تیسری بات کرے تو تیسرا

اور چوتھی بات سے چوتھا چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے۔ایک درویش نے عرض کیا۔کہ حضور! پھر تو ضرور ہی بات کرنی چاہیے تاکہ فرشتے چادر چھوڑ دیں اور وہ نور کی چادر وضو کرنے والے کے اوپر آگرے۔اس پر آپ مسکرائے۔اور فرمایا کہ ایک روز ہم نے دیکھا کہ ضرور فرشتے اسی طرح چادر تان دیتے ہیں۔ایک دفعہ وضو کرتے ہوئے ہم نے ایک بات کی۔تو دیکھا کہ فرشتے نے چادر کا ایک گوشہ چھوڑ دیا۔ہم نے اسی وقت استغفار پڑھی۔تو وہ ٹھہر گیا۔فرمایا کہ نور کی چادر نیچے نہیں آیا کرتی۔نور کا خاصہ ہے کہ اوپر کو چڑھتا ہے۔چنانچہ جب ہم نے وہ بات کی۔تو وہ گوشہ جو فرشتے نے چھوڑ دیا تھا اوپر ہو گیا۔اور کلام مجید میں بھی ایک آیت سُنی ہے کہ نور اوپر کو ہی جاتا ہے۔یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔اس روز سے ہم نے کبھی وضو کرتے ہوئے کلام نہیں کیا۔

جنت و دوزخ:

جناب مولوی سراج الدین صاحب امور ذیل حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ سے روایت کرتے ہیں۔

جنت کے درخت:

فرمایا۔سراج الدین! کیا جنت میں درخت کنار (بیری) بھی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہے پھر میں نے کہا کہ شاید آج حضور نے اشجار جنت میں سے بیری کو دیکھا ہے۔فرمایا کہ ہم آیہ کریمہ پڑھ رہے تھے۔دیکھا کہ جب ہم ذکر کرتے ہیں۔تو جنت کے کیلے اور بیری کی ڈالیاں جھومتی ہیں۔اور جب خاموش ہو جاتے ہیں۔تو وہ بھی جھومنے سے بند ہو جاتے ہیں۔گویا اشجار جنت ذکر الٰہی پر شیفتہ ہیں۔

(۲) فرمایا کہ ہم نے دیکھا کہ جنت میں سونے چاندی کے محل ہیں اور منڈے (لڑکے) کھیل رہے ہیں۔ایک منڈ اساڈی گودوچ (میں) آبیٹھا۔

(۳) فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم نے دیکھا کہ چھوٹی بیگم جنت میں ایک چارپائی پر بیٹھی ہے اور ہم بھی وہاں ہیں۔ہم نے کہا۔بیگم! ہم دنیا کی طرف جاتے ہیں۔بیگم نے کہا۔کیا جنت سے دنیا کو جاتے ہو؟ ہم نے کہا کہ ہماری جنت یاد الٰہی اور دیدار خدا ہے۔

دوزخ کی کیفیت:

فرمایا کہ ایک مرتبہ لڑکپن میں ہم سے کوئی گناہ ہو گیا۔ تو دو فرشتے نظر آئے اور ہم کو دوزخ کے قریب لے گئے۔ دوزخ ایسا سرخ تھا جیسا کہ لوہاروں کی بھٹی۔ ایک نے کہا کہ ان کو اس میں ڈال دو۔ دوسرے نے سفارش کی کہ بار دگر یہ ایسا نہ کریں گے۔

(۵) ایک مرتبہ آپ مسجد میں نماز عصر کے لیے وضو فرما رہے تھے۔ کسی نے ذکر کیا کہ راجہ پٹیالہ مر گیا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر یہ ذکر نہ کرنا ہم کو اس کی روح سے بد بو آئی اور وہ دوزخ میں جلتا ہوا دکھائی دیا۔

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام:

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اکثر ہوا کرتی تھی۔ جیسا کہ واقعات ذیل سے ظاہر ہے جن میں سے پہلے چھ کے راوی جناب مولوی سراج الدین صاحب ہیں۔

تین شخص:

فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم نے دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک تخت پر جلوہ گر ہیں ہم بجد و جہد حضور کے تخت کے قریب پہنچے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دنیا میں تین شخص ہماری حضور میں آتے ہیں۔ ایک تم اور دو اور۔ راوی کا قول ہے کہ میں نے حضرت شاہ صاحب سے ان دو کا نام و نشان اور شہر و دیار استفسار کیا۔ مگر آپ نے مجھے نہ بتایا اور فرمایا کہ وہ بھی قطب وقت ہیں۔ اظہار کی اجازت نہیں۔

(۲) فرمایا کہ ایک بار دیکھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت مجدد الف ثانی کے روضہ پر وعظ فرما رہے ہیں۔ فقیر خدمت میں حاضر ہیں۔ اور پارچہ برداری کی خدمت بندہ کے سپرد ہے۔

(۳) فرمایا کہ ایک مرتبہ جو زیارت ہوئی۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ توکل شاہ ہمارا فقیر ہے۔

مقام تکمیل:

فرمایا کہ ایک مرتبہ روضہ مقدسہ پر حاضر ہوا۔ ایک بزرگ کی روح وہاں وضو کر رہی تھی انہوں نے فرمایا کہ جاؤ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد کر رہے ہیں کہ انبالہ کا مست اب تک نہیں آیا۔ مگر جناب مولوی محبوب عالم صاحب کی روایت میں اس طرح ہے کہ میاں صاحب قبلہ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم نے دیکھا کہ ہم ایک حوض پر وضو کر رہے ہیں تاکہ پاک وصاف ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوں۔ اسی اثنا میں دیکھا کہ مولوی محمد سعید صاحب انبالوی حضرت کے دربار سے میرے پاس آئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد فرما رہے ہیں۔ کہ اس انبالہ والے مست نے اتنی دیر کہاں لگادی۔ میں جلدی وضو سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں پہنچا۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ اور اپنے سر مبارک کا تاج تو مجھے دے دیا اور خود نیا منگا کر سر مبارک پر رکھ لیا۔ میں نے لے کر پہلے تو اس تاج کو بڑی محبت کی نگاہوں سے دیکھا اور پھر اپنے سر پر رکھ لیا۔ اس دن سے تکمیل ہوگئی۔ اور مخلوق خدا کو بہت ہی ہدایت ہو رہی ہے کہ یہ مقام تکمیل تھا۔

(۵) فرمایا کہ ایک مرتبہ ہماری روح روضہ منورہ کے اندر داخل ہوئی۔ دیکھا کہ تربت شریف اندر سے خام ہے۔ ہم نے چاہا کہ غلبہ محبت وفرط عشق میں مزار پر انوار کو چھی پالیں (یعنی لپیٹ جائیں) مگر حضور سے ممانعت ہوئی۔

(٦) فرمایا کہ ایک مرتبہ ایام جوانی میں کہ ہم تمباکو بہت کھایا کرتے تھے دیکھا کہ یہ فقیر جناب سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آغوش میں مثل اطفال کے لیٹا ہوا ہے۔ ناگہاں حضور نے فرمایا کہ توکل شاہ! تیرے منہ سے تمباکو کی بو آتی ہے۔ اس روز سے میں نے تمباکو کھانا چھوڑ دیا۔

مدینہ طیبہ کی حاضری:

مصنف ذکر خیر کا بیان ہے کہ ایک روز میں اور سائیں محمد علی شاہ مرحوم حاضر خدمت مبارک تھے۔ آپ باہر والے کمرے میں لیٹے ہوئے تھے۔ حضور کے پاؤں مشرق کی جانب تھے اور سر مبارک غرب کی جانب تھا۔ ہم دونوں پاس بیٹھے ہوئے پنکھا ہلا رہے تھے۔ میں نے

حضور کے بدن مبارک کی طرف غور جو کیا۔ تو نظر آیا کہ آپ کو سانس مطلق نہیں آتا۔ تقریباً دس یا پندرہ منٹ تک یہی حال رہا۔ میں نے پریشان ہو کر سائیں محمد علی شاہ سے کہا کہ دیکھو تو حضرت کو سانس نہیں آتا۔ ہم اسی گفتگو میں تھے کہ حضور جاگ اٹھے اور آنکھ کھول کر فرمایا۔ کیا باتیں کر رہے ہو۔ میں نے وہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں ہم مدینہ شریف گئے ہوئے تھے۔ میں نے دل میں خیال کیا کہ شاید آپ خواب میں مدینہ شریف تشریف لے گئے ہوں۔ حضرت علیہ الرحمۃ نے نور باطن سے میرے اس خطرہ پر آگاہ ہو کر فرمایا۔ مولوی صاحب! اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے اب بھی موجود ہیں جو نظر اٹھانے میں مدینہ شریف پہنچ جاتے ہیں۔ اور نظر نیچی کرنے میں یہاں واپس آجاتے ہیں۔

خواب کی کیفیت:

شیخنا العلامہ مولانا مولوی حاجی حافظ مشتاق احمد صاحب چشتی صابری ادام اللہ تعالیٰ فیوضہ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت مخدومنا توکل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بر سبیل تذکرہ عاجز سے فرمایا کہ ایک مرتبہ خواب میں یہ دیکھا کہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں اور مولانا محمد قاسم دیوبندی دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے دوڑے کہ جلد حضور تک پہنچیں۔ مولانا محمد قاسم صاحب تو وہاں اپنا قدم رکھتے تھے جہاں حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم مبارک کا نشان ہوتا تھا۔ مگر میں بے اختیار جا رہا تھا۔ آخر مولانا سے آگے ہو گیا اور پہنچ گیا۔

درود شریف کی برکت:

مولانا ممدوح اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔ عاجز محمد مشتاق احمد نے حضرت عارف کامل سائیں توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو بارہا اس حالت میں دیکھا ہے کہ حضرت ممدوح بعد نماز عصر یہ درود شریف پڑھا کرتے تھے۔ اللّٰھمَ صلِّ علٰی سیّدنا محمد و علی ال سیّد نا محمد بعد دکلِّ ذرّۃٍ مائۃ اَلفِ اَلفِ مرۃٍ۔ پڑھتے پڑھتے بعض وقت حضوری ہو جاتی تھی اور بے اختیار سر زمین پر جھکا دیتے تھے۔ گویا بے ہوش ہو جاتے تھے۔ عجیب فیض اس وقت وارد ہوتا تھا۔

مراقبہ حقیقت محمدی:

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب انبھٹوی اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ ایک روز بعد مغرب احقر مراقبہ میں شامل تھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس قائم ہے۔ حضور سائیں صاحب اندر ہیں اس نابکار کو دربان مجلس شریف کے اندر جانے کی اجازت نہیں دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اس کو نہ روکو۔ اندر آنے دو۔ اس کے پاس توکل شاہ کا رقعہ ہے۔ میں نے مراقبہ سے فارغ ہو کر عرض کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ فلاں وقت دیکھا ہوگا۔ میں نے عرض کیا جی ہاں! فرمایا اس وقت حقیقت محمدی کا مراقبہ تھا۔ پھر مجھ کو اس مراقبہ کا طریقہ تعلیم کیا۔

خواب کا واقعہ:

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کو دیگر انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی زیارت ہوئی ہے۔ چنانچہ صاحب ذکر خیر لکھتے ہیں ۔کہ ایک روز وصال سے تقریباً ایک سال پہلے علی الصبح مجھے طلب کیا۔ میں فوراً حاضر خدمت ہوا۔ فرمایا۔ آؤ مولوی صاحب بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ تو آپ نے یہ خواب سنایا۔ فرمایا ہم نے دیکھا کہ ہم یہاں سے چل کر حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔ انہوں نے فرمایا۔ آؤ آج رات یہیں رہو۔ چنانچہ ہم وہیں رہ گئے۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا قلب ایسا ہے کہ جیسا کوئی بہت بڑا گنبد ہو اور جیسے بڑے زور سے نہر کا پانی پڑتا ہے اس طرح اور اس میں وارد ہو رہا ہے۔ اور اس پر نورانی تجلیات اس طرح وارد ہو رہی ہیں جیسے بڑے زور سے نہر کا موسلا دھار دہانہ پڑ رہا ہو۔ ہم نے حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو میں آپ کے قلب میں داخل ہو کر اندر سے اس کی سیر کرلوں ۔ فرمایا۔ ہاں جاؤ خوب سیر کرو۔ چنانچہ اجازت ہوتے ہی میں اس کے اندر داخل ہوا۔ اور خوب ہی سیر کی۔ بہت ہی بڑا قلب تھا۔ پر ہم نے بھی تمام ہی کی سیر کرلی۔ پھر ہم وہاں سے حضرت نوح علیہ السلام کے پاس پہنچے۔ انہوں نے بھی فرمایا کہ ایک رات ہمارے ہاں مہمان رہو۔ چنانچہ ہم ان کے ہاں بھی مہمان رہے۔ کھانا کھایا اور ان سے اجازت لے کر ان کے لطیفہ روح کی سیر کی۔ پھر اسی طرح حضرت موسیٰ و

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے یہاں ان کے حکم کے موافق ایک ایک رات مہمان رہے اور کھانا کھایا۔ اور ان دونوں یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لطیفہ سرّ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لطیفہ خفی کی خوب ہی سیر کی۔ پھر حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ آج رات یہیں رہو۔ چنانچہ ہم وہیں رہے۔ اور کھانا کھایا۔ اور پھر اجازت لے کر آپ کے لطیفہ اخفیٰ کی سیر کی۔ پھر آگے پتہ نہ لگا کہ اس کی انتہا کہاں تک ہے حقیقت محمدیہ تک تو پہنچے۔ پھر وہاں سے رخصت ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بڑی بڑی بشارتیں دیں۔ پھر ہماری آنکھ کھل گئی۔ یہ کیا بات تھی۔ وہاں تو ہم اتنی راتیں گزار کر آئے تھے۔ پر یہاں ایک رات بھی پوری نہ گزری۔

ذکر خیر میں ہے کہ ایک روز یہود و نصاریٰ کے کفر و ایمان کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ کہ آپ نے فرمایا۔ عالم رویا میں ہم نے دیکھا بھی ہے کہ ایک مرتبہ ہم حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے دربار میں پہنچے۔ وہاں دیکھا کہ ایک بہت عمدہ مکان ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ اور لوگوں کے گروہ کے گروہ دروازے کی طرف آ آ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے ملتے ہیں۔ آپ ان سے بہت ہی خوشی کے ساتھ ملاقات کر رہے ہیں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لوگ تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مجھے اپنے پاس بلا کر بہت ہی محبت سے بٹھایا اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ہیں اور مجھ سے ملتے ہیں کیونکہ میری ملت پر ہیں۔ میں ان سے بہت خوش ہوں۔ پھر میں نے دوسرے گروہ کی بابت دریافت کیا جو دروازے سے نہیں آتا تھا۔ بلکہ جس طرح حجرے کا دروازہ تھا۔ پشت کی طرف سے آنا چاہتا تھا۔ اور دیوار کے حائل ہونے کی وجہ سے نہیں آسکتے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ اب میں ان سے بیزار ہوں۔ کیونکہ یہ جو نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔ اس واسطے یہ میرے طریقہ پر نہیں رہے۔ اور میری ملت سے نکل گئے۔ پھر فرمایا ایک مرتبہ جب کہ ولایت ابراہیمی ہم پر کھلی تھی۔ ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی۔ آپ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا تو حق پر ہے۔ کیونکہ تو ہمارے بیٹے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں ہے۔ انتہیٰ

صحابہ کرام واولیائے عظام:

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز تصرف ارواح کے ذکر پر فرمانے لگے۔ مولوی! وہ شخص نادان ہے جو تصرف ارواح کا منکر ہے۔ فقیر ایک روز دوپہر کو قیلولہ کے وقت مراقبہ میں مشغول تھا۔ اس قدر سکر غالب ہوا کہ کچھ خبر نہ رہی۔ نماز میں بھی دیر ہونے لگی۔ اسی وقت حضرت مالک ذوالفقار حضور امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے مجسم تشریف فرما ہو کر میرے دونوں مونڈھے پکڑ کر زور سے ہلائے اور فرمانے لگے۔ ہوش میں آؤ۔ ظہر کا وقت قضا ہو جائے گا۔ میں ہوش میں آ گیا۔ اور میرے مونڈھے دیر تک دُکھتے رہے۔

صاحب تذکرہ تو کلیہ لکھتے ہیں کہ فرمایا۔ ایک دفعہ ہم نے دیکھا کہ روضہ پرنُور پر امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہیں۔ گویا وہاں کے مختار یا داروغہ ہیں۔ گندمی رنگ۔ پوریاں لمبی۔ انگلیاں نازک ہیں۔

کشف قبور کی کیفیت:

جناب مولوی سراج الدین صاحب کا بیان ہے کہ حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ کو کشف قبور ایسا تھا۔ کہ مزار پر کھڑے ہوتے ہی اہل مزار کی نسبت نقشبندیہ ہو یا چشتیہ۔ قادریہ ہو یا سہروردیہ۔ فوراً معلوم کر لیتے تھے۔ فرمایا کہ جیسے تم لوگ کھٹاس اور مٹھاس کو چکھ کر بتا دیتے ہو۔ اسی طرح ہم نسبت کے ذائقہ اور رنگ و بو کو پہچانتے ہیں۔ چنانچہ نسب آدمی و نوحی و ابراہیمی و موسوی و عیسوی و محمدی کا باہمی فرق الگ الگ بندے کو بتایا جو قابل اظہار و تحریر نہیں۔ فرمایا کرتے کہ شہید کے مزار پر سرخ رنگ کا نور ہوتا ہے۔ چنانچہ مرزا مظہر جانجاناں شہید دہلوی کے مزار پر سرخی نما فیض شہادت کا ہے۔ فرمایا کہ ٹھسکہ میرانجی جو ہم گئے۔ تو میاں بہادر علی شاہ کے مزار پر خوشبو دار فیض پایا اور محمد شاہ مست کا فیض کھٹا بو دار پایا۔ اگر سڑک پر کوئی مزار مخفی ہوتا تو آپ اس کی نسبت بتا دیتے اور فرماتے کہ یہاں سے خوشبو آتی ہے۔ انتہیٰ۔

قبر پر مراقبہ:

جناب مولوی محبوب عالم صاحب ناقل ہیں کہ ایک روز حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ

علیہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم حضرت لکھی شاہ صاحب کی قبر پر مراقب تھے۔ دیکھا کہ خون کا ہار ان کے گلے میں پڑا ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ شہید ہیں۔ سائیں لکھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم یہاں کے شاہ ولایت ہیں۔ ہم نے کہا۔ بے شک ہم آپ کے شاہ ولایت ہونے کو مانتے ہیں۔ پھر سائیں لکھی شاہ صاحب نے ہم سے پوچھا کہ آپ کس سلسلہ میں مرید ہیں۔ میں نے کہا کہ مجددی طریق میں۔ لکھی شاہ صاحب نے فرمایا۔ یہ سلسلہ ہمارے بعد کا ہے۔ اور ہم حضرت غوث بہاء الحق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۶۶ھ) کے وقت میں ملتان سے یہاں آئے تھے۔ اور تصوف میں انہیں کے سلسلہ (سہروردیہ) میں سے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ آپ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے گزرے ہیں۔ پھر ہم نے ان قبر والوں سے جو لکھی شاہ صاحب کے پاس شرقاً غرباً مدفون ہیں پوچھا کہ آپ کس زمانہ میں گزرے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ان کی امت میں سے تھے۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں یہاں آئے ہیں۔ کافروں سے یہاں بڑی لڑائی ہوئی تھی۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اسی وجہ سے ان کے منہ بیت القدس کی طرف ہیں۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں قبلہ اسی طرف تھا۔ اور ان کے قد اتنے لمبے ہیں کہ ان کے پاؤں اس شرقی دیوار سے باہر نکلے ہوئے ہیں جس میں دروازہ اور چوکھٹ لگی ہوئی ہے۔ پھر فرمایا کہ ہمیں مکاشفہ سے بھی معلوم ہوا ہے کہ سائیں لکھی شاہ صاحب کے علاوہ یہاں اور بہت سے شہداء کی قبریں ہیں۔ جن کا کچھ نشان ظاہر میں نہیں۔ اور یہ منڈی کا تمام میدان شہیدوں سے پُر ہے۔ اسی وجہ سے میں نے بارہا دیکھا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ احاطہ کے شرقی دروازے سے داخل ہو کر شمال کی طرف کو لکھی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر تشریف لے جاتے تھے اور جنوب کی طرف کو نہیں جاتے تھے۔ کیونکہ اس طرف ان دونوں قبروں والوں کے پاؤں راستہ میں حائل ہوتے ہیں۔ انتہی

لنگر کی تقسیم:

جناب مولوی سراج الدین صاحب لکھتے ہیں کہ ایک روز میں نے میاں صاحب قبلہ سے دریافت کیا کہ نقد روپیہ پیسہ کا لنگر آپ کا کب سے جاری ہے۔ فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم نے دیکھا کہ لکھی شاہ صاحب کی روح اپنی مسجد میں کچھ نقدی فقیروں کو عالم مثال میں تقسیم کر رہی ہے

پھر کچھ درہم وفلوس ہمارے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ تم ہی تقسیم کیا کرو۔ اس دن سے بحکم الٰہی فتوحات نقد زیادہ ہونے لگیں۔ فرمایا کہ ہم نے مراقبہ میں شاہ عبدالرسول صاحب شاہ ولایت انبالہ کو دیکھا کہ نقاب پوش ہیں جیسا کہ عالم حیات میں تھے۔ اور فرمایا کہ ایک مرتبہ دہلی میں حکیم لطیف حسین کے مکان پر دیکھا کہ شاہ صاحب فرمار ہے ہیں کہ توکل شاہ! ہم تیرے پاس جنت سے آئے ہیں۔ تو انبالہ جلدی چلا آ۔ انتہیٰ

فضائل درود شریف:

جناب مولوی سراج الدین صاحب روایت کرتے ہیں کہ شاہ صاحب نے فرمایا۔ حدیث شریف میں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود و رحمت نازل فرماتا ہے اس کی صورت ہم نے یہ دیکھی کہ ایک بار ہم حجرہ میں ذکر میں مشغول تھے۔ ہم نے ایک بار درود شریف پڑھا۔ دیکھا کہ نور کا ایک بادل آیا اور وہ ہم پر دس بار برسا۔ نیز فرمایا کہ درود شریف پڑھنے میں ہم نے آسمان سے سفید پھول برستے دیکھتے۔ سفید پھول سے مراد نور رحمت ہے۔ انتہیٰ

پھولوں کا ہار:

صاحب تذکرہ توکلیہ بروایت مولوی خلیل الرحمٰن صاحب مدرس لکھتے ہیں کہ میاں صاحب قبلہ **اللھم صلی علی سیدنا محمد وعلی ال سیدنا محمد بعد دکلِّ معلوم لکَ وبعدد کل ذرة مائة الف الف مرة وبارک وسلّم** ۔ کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز شام کے وقت بعد مغرب میں میاں صاحب کے ساتھ مراقبہ کے لیے کوٹھے پر چڑھا۔ آپ نے مجھے حضور میں طلب فرمایا اور فرمایا کہ ابتداء میں جب میں نے یہ درود پڑھنا شروع کیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریف لا کر میرے گلے میں پھولوں کا ہار ڈالا۔ انتہیٰ۔ جناب مولوی محبوب عالم صاحب اس صیغہ کی نسبت یوں لکھتے ہیں۔ کہ میاں صاحب قبلہ نے فرمایا۔ کہ ایک دفعہ ہم نے جو یہ صیغہ پڑھا تو دیکھا کہ ایک باغ ہے اور ایک نوری چبوترہ پر حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افروز ہیں۔ میں جا کر نہایت ادب سے ملا۔ تو آپ سینہ سے لگا کر ملے۔ اور پھولوں کا ہار میرے گلے میں ڈال دیا۔ انتہیٰ۔ مگر جناب مولوی

سراج الدین صاحب یوں بیان کرتے ہیں کہ میاں صاحب قبلہ نے فرمایا کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ جب تم یہ صیغہ درود شریف کا پڑھتے ہو۔ تو ہم پھولوں کا ہار تمہارے گلے میں ڈالتے ہیں۔ میں نے حضور علیہ الرحمۃ سے پوچھا کہ وہ صیغہ کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ صیغہ یہ ہے صَلَّی اللّٰہ علی النَّبیِّ الاُمِّیِّ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ ۔انتہی۔

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب نے رسالہ ''توسل بالنبی والولی'' میں یوں لکھا ہے۔ زبدۃ الاولیا المتاخرین مرشدی سائیں توکل شاہ صاحب نے مجھ سے براہ راست فرمایا ہے کہ مولوی صاحب! جس وقت میں یہ درود شریف پڑھتا ہوں۔ تو میں دیکھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک مجسم ہو کر میرے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالتی ہے۔ سائیں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے میری خواہش پر مجھے بھی اس درود شریف کی اجازت عطا فرمائی۔ درود شریف یہ ہے اللھم صل علی محمد وعلی ال محمد بعدد کل معلوم لک ۔انتہی۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ ان ہر سہ روایات میں تطبیق بآسانی ہو سکتی ہے۔ کمالا یخفی۔

کشف قلوب:

خطرات سے آگاہی مقام ارشاد کے لوازم سے ہے۔ حضور علیہ الرحمۃ کو اشراف خواطر کمال درجہ کا تھا۔ جناب مولوی سراج الدین صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں حضور کے روبرو کچھ بات کہتے ہوئے رک گیا۔ آپ نے فرمایا۔ سراج الدین! تو کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضور نے کس طرح جانا۔ فرمایا کہ ایک روشنی اندر سے باہر آ کر واپس چلی گئی۔

جناب مولوی محبوب عالم صاحب لکھتے ہیں:

قلبی خیال سے آگاہی:

ایک روز اس جگہ جہاں اب حضور کا روضہ مبارک ہے۔ ایک کنجری سیاہ فام آئی۔ اس نے عرض کیا کہ حضور میرے لیے دعا فرمائیں۔ ایک درویش حضور کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے دل میں خیال کیا کہ اگر اس کنجری کا نکاح میرے ساتھ ہو جائے تو بہتر ہے۔ حضور نے اس کے خطرہ پر آگاہ ہو کر پیچھے کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ اوہوں! یہ تیرے لائق نہیں۔ اور اس کے واسطے

دعا فرمائی۔ دوسرے ہی روز وہ کسی کے ساتھ نکاح کر کے چلی گئی اور پیشہ قطعی چھوڑ دیا۔ وہ درویش صاحب نسبت تھا اس نے فرمایا کہ تیرا نکاح کہیں اور اچھی جگہ ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

درویش کے دل کی بات:

ایک درویش انبالہ آئے ہوئے تھے۔ انبالہ میں ان کے کچھ مرید بھی تھے۔ میں عصر کے بعد حضرت صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت سے واپس جا رہا تھا۔ جب میں اس چھوٹے سے پُل کے پاس پہنچا۔ جو حضرت صاحب کے روضہ کے پاس غرب کی طرف واقع ہے۔ تو وہ درویش بھی سامنے سے آملے۔ اور مجھے خطاب کر کے کہا۔ مولوی صاحب! آپ عالم و فاضل ہیں۔ بڑے بزرگ ہیں۔ آپ کے پیر عصر کی نماز دیر کر کے پڑھتے ہیں۔ آپ انہیں نصیحت کریں۔ قرآن شریف میں آیا ہے حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۔ اور وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے۔ اس کی حفاظت ضرور کرنی چاہئے میں نے جواب دیا کہ اس حفاظت سے مراد فوت نہ ہونے دینا ہے۔ یعنی نماز عصر کو فوت نہیں ہونے دینا چاہئے۔ باقی آپ وہاں جاتے ہی ہیں۔ تقدیم و تاخیر کے بارے میں خود حضور میں ہی عرض کر دینا۔ وہ تو آگے نکل گئے۔ اور میں پھر واپس حضرت صاحب کی خدمت میں گیا۔ لیکن دانستہ تھوڑی دیر اس واسطے کی کہ مبادا حضرت صاحب کے دل میں میری طرف سے کوئی خیال گزرے۔ وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا کہ مارے ہیبت کے ان درویش کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ وہ سوال کر سکیں اور بالکل خاموش بیٹھے رہے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ آپ نے خود ہی فرمایا۔ یہ لوگ اچھے ہیں۔ اور ان کو آسانی ہے۔ فقط قلبی ذکر کو فقیری سمجھ بیٹھے ہیں اور آگے قدم نہیں اٹھایا۔ صرف اسی پر قناعت کر کے بیٹھ رہے۔ جب وہ حالت اس فقیر پر وارد ہوئی جو غوث بہاء الحق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ پر وارد ہوئی تھی اور انہوں نے دو برس تک تہہ بند نہیں باندھا تھا اور بے ہوش جنگلوں میں پڑے رہتے تھے اور کوئی ایسا نہ تھا کہ ان کو تہہ بند ہی بندھوا دیتا نماز کا تو کیا ذکر تھا۔ اس فقیر نے اس حالت میں بھی کبھی نماز قضا نہیں ہونے دی۔ اس فقیر کی پرورش روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی مہربانی رہی ہے کہ باوجود ان حالات کے ابتداء سے آج تک کبھی نماز قضا نہیں ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ

کا بڑا ہی فضل اور روح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش ہی کی برکت ہے کہ کبھی نماز نہیں قضا ہوئی ورنہ ان مقامات میں حضرت غوث بہاء الحق ملتان رحمۃ اللہ علیہ جیسوں کی نماز بوجہ سکرت او رغلبہ حال کے رہ گئی۔

امانت:

ایک روز حضرت صاحب علیہ الرحمۃ مع ایک درویش کے مکان سے باہر نکل کر سڑک پر کھڑے ہو گئے ۔ایک شخص آیا۔ سلام علیک کی ۔ اور مصافحہ کر کے رخصت ہو گیا۔ ابھی شاہ عبدالرسول صاحب کے باغ کے گوشہ کے قریب ہی پہنچا تھا کہ پھر لوٹا اور آ کر سلام کیا اور رخصت لے کر چلا گیا۔ اسی طرح تین دفعہ اس نے کیا۔ تیسری بار آپ ایک مخلص سے فرمانے لگے۔ تم نے دیکھا۔ یہ شخص کیا کر رہا ہے۔ اس نے عرض کیا۔ حضور یہ شخص کچھ بے سمجھ سا ہے۔ فرمایا۔ بے سمجھ تو نہیں ہے۔ اس کے پاس ہماری ایک شے ہے۔ وہ اسے جانے نہیں دیتی اور کھینچ کر پھر لاتی ہے اور یہ دیتا نہیں۔ چوتھی بار پھر آیا اور عرض کرنے لگا کہ حضور مجھے ایک شخص نے دس روپے حضور کو دینے کے لیے دیئے تھے۔ مجھے ضرورت تھی۔ میں چاہتا تھا کہ اپنا کام کر لوں۔ حضور کو پھر دے دوں گا۔ مگر جب حضور کے پاس سے جاتا ہوں۔ تو میرا دل پکڑا جاتا ہے۔ جب حضور کی طرف رجوع کرتا ہوں تو چھوٹ جاتا ہے۔ سو لیجئے یہ حضور کا مال ہے۔ حضور نے اس درویش سے فرمایا کہ لے لو۔ یہ حلال طیب مال ہے۔ اس نے لے لیا۔ پھر اس شخص سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے میں سے تو نہیں رکھ سکتا۔ کسی کی امانت میں خیانت منع ہے۔ ہاں اگر تجھے ضرورت ہے تو اب لے لے۔ اس نے نہ لیے اور کہا کہ حضور دعا کر دیں میرا کام ہو جائے حضور نے دعا فرمائی اور وہ چلا گیا۔ انتہی

دلی خیال جان لیا:

جناب مولوی نور احمد صاحب مولف تذکرہ تو کلیہ لکھتے ہیں کہ ایک دن نامہ نگار حاضر خدمت ہوا۔ دل میں یہ خیال تھا کہ میں ایک لکچر دوں کہ سب لوگ واہ کریں۔ اور یوں ہوں اور اس طرح بیان کروں۔ جب مجھے پاس بیٹھے ہوئے اپنے دل میں ایسے ایسے منصوبے گھڑتے کچھ دیر ہو گئی۔ تو حضرت نے فرمایا کہ بھائی یوں طالب کمال نہیں ہونا چاہئے کہ جس سے غرور پیدا ہوا

۔انتہی۔

روح کی تسلی:

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب انبہٹوی گورنمنٹ سکول انبالہ شہر میں ملازم تھے۔ یہاں سے ان کی تبدیلی حصار سکول میں ترقی پر ہوگئی۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے ان کی روانگی سے پہلے خلیفہ مظفر علی خاں صاحب کو بذریعہ ڈاک اطلاع دے دی۔ غرض یہ حصار میں پہنچ کر خلیفہ صاحب موصوف سے ملے اور پھر چند روز کے بعد بوجہ تعطیل انبالہ میں حاضر خدمت ہوئے۔ اس ملاقات وزیارت کی تفصیل جناب مولوی صاحب خود یوں فرماتے ہیں۔

جب احقر خان صاحب سے مسجد میں ملا۔ میں نے خاں صاحب سے کہا کہ کیا کوئی مکان میرے لیے تلاش کر کے رکھا؟ آپ نے فرمایا کہ مکان نہیں ملا۔ مجھے یہ خیال آیا کہ اس قدر محبت کا دعویٰ۔ پھر شاہ صاحب نے پہلے سے اطلاع بھی دے دی۔ مگر خاں صاحب نے خیال ہی نہیں کیا۔ اس کے ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ خاں صاحب تو خود ہی ایک غیر شخص کے مکان میں عارضی طور پر رہتے ہیں۔ یہ مجبور ہیں۔ واقعی مکانات کی کمی ہے۔ چند ہی روز کے بعد سکول کی بڑی تعطیل ہوئی۔ میں نے خیال کیا کہ گو ادھر سے وطن جانے کے لیے چکر اور خرچ بھی زیادہ ہوگا۔ مگر شاہ صاحب کی زیارت پر جان و مال قربان ہے۔ احقر انبالہ حاضر ہوا۔ بارہ بجے تھے۔ آپ وظیفہ شروع کرنے والے تھے۔ میں نے رحیم بخش خادم سے کہا کہ بھائی! میرے پاس سہارنپور کا ٹکٹ ہے۔ تو شاہ صاحب کی خدمت میں خبر کر دے۔ اگر بلا لیا ز ہے قسمت ورنہ وہیں سے زیارت کر کے رخصت ہو جاؤں گا۔ رحیم بخش کے خبر کرنے پر۔ قربان جائیں، اس عنایت پر۔ سائیں صاحب فرمانے لگے کہ سید کی زیارت اور درود شریف پڑھنا ایک ہی بات ہے۔ مولوی کو فوراً بلاؤ۔ میں خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام کہا۔ جواب اور مصافحہ کے بعد فرمانے لگے کہ حصار سے تیری روح آئی تھی۔ مظفر خان صاحب کی شکایت کرتی تھی۔ ہم نے تیری روح کی تسلی کر دی تھی کہ یہ بیچارہ خود مجبور ہے۔ یہ میرے اس خیال کا اظہار تھا جو خاں صاحب سے ملاقات کے وقت میرے دل میں آیا تھا۔ اور اس کا دفعیہ بھی ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ اللہ اکبر! یہ کشف کہ گویا تمام قلوب کے حالات سامنے ہیں۔ انتہی۔

شب قدر:

فرمایا کہ فقیر کو دو تین مرتبہ شب قدر دکھائی دی۔ ایک مرتبہ تجلی صاف اور تیز تھی۔ بار دگر ذرا پھیکا رنگ۔ فرمایا کہ ماہ رمضان میں ستائیسویں رات کو ایک دفعہ مغرب سے آثار خیر و برکت نمودار تھے۔ ہم دو بجے تک جاگتے رہے۔ ایک بڈھے کے ہاں ہماری سحری کی دعوت تھی۔ وہ ہمیں ڈوگروں کے محلہ میں لے گیا۔ دو اور تین بجے کے مابین وہ بڈھا ہمارے ہاتھ دھلا رہا تھا۔ بادل ہو رہا تھا۔ کچھ ترشح بھی تھا کہ یکا یک تجلی پھیل گئی۔ بڈھا تو تاب نہ لایا اور گر پڑا۔ ہماری نظر بھی خیرہ ہو گئی۔ ہم پر رقت اور قشعریرہ طاری ہوا جو مصافحہ جبرئیل علیہ السلام کی علامت ہے۔ ہم نے جلد جلد کئی دعائیں مانگیں۔ جن کا ظہور صبح سے شروع ہوا۔ اور حضرت مرزا مظہر جانجاناں کی طرح احوال و واردات کھلنے لگے۔ (روایت مولوی سراج الدین صاحب)

نوری تختی کا ٹکڑا:

ایک مرتبہ بعد مغرب عوام زائرین میں سے دو شخص توجہ میں آ بیٹھے۔ آپ نے ان میں سے ایک سے فرمایا کہ تو درود شریف بہت پڑھا کر۔ وہ شخص فسق و فجور میں بہت مبتلا تھا۔ جب وہ دونوں چلے گئے۔ تو ایک درویش نے عرض کیا۔ حضور! یہ درود شریف کیا پڑھے گا۔ اس کی حالت تو خراب ہے۔ فرمایا نہیں۔ اس کا اخیر اچھا ہے۔ ایک شخص نے پھر عرض کیا کہ حضور! آپ نے یہ کیسے معلوم کر لیا کہ اس کا خیر اچھا ہے۔ فرمایا۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر شخص کی روح کے گلے میں ایک نوری تختی کا ٹکڑا پڑا ہوا تھا۔ جس پر لفظ سعید یا شقی لکھا ہوا ہوتا ہے۔ میں نے جوان کی روحوں کی طرف نظر کی۔ تو دیکھا کہ نوری تختیوں کے ٹکڑے جوان کی روحوں کے گلے میں پڑے ہوئے ہیں ان پر لکھا ہوا ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس دوسرے شخص کا کلمہ شریف تو چمک رہا تھا اور اس کا ذرا گدلا سا تھا۔ مگر لفظ سعید اس کی تختی پر بھی لکھا ہوا تھا۔ اس سے ہم نے سمجھ لیا کہ اس کا اخیر اچھا ہے۔ اور درود شریف ہم نے اس لیے بتایا کہ اس کی تختی کا گدلا پن دور ہو جائے۔ حضرت میاں صاحب قبلہ کے ارشاد سے پایا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی آیہ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا میں طائر سے مراد وہی نوری تختی کا ٹکڑا ہے

جو سب لوگوں کی روحوں کے گلے میں پڑا ہوا ہے۔

(روایت مولوی محبوب عالم صاحب)

حلال وحرام کی شناخت:

جب نقدی یا طعام خدمت میں پیش کیا جاتا۔ تو اسے بنظر کشفی دیکھتے۔ اگر مشتبہ یا حرام پاتے۔ فوراً انکار کر دیتے یا لے کر کسی دوسرے کو دے دیتے۔ اور جو حلال ہوتا تو اسے لے کر گھر یا لنگر میں بھیج دیتے۔ جناب مولوی سراج الدین صاحب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میرے روبرو چھاؤنی انبالہ میں ایک رسالدار کچھ روپے بطور نذر لے کر آیا۔ حضرت علیہ الرحمۃ اس کی نذر ہمیشہ لے لیا کرتے تھے۔ مگر اس دفعہ آپ نے انکار کر دیا۔ جب میں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ روپیہ رشوت کا تھا جس وقت اس نے ہمارے سامنے پیش کیا اور ہم نے اسے مس کیا تو آگ کی سی حرارت محسوس ہوئی۔ ایک دفعہ کسی ڈپٹی نے ایام عرس میں سات روپے آپ کی نذر کیے۔ آپ گھبرا گئے اور ان کو باہر تقسیم کرا دیا۔ انتہی۔

نذر قبول کرنے میں احتیاط:

جناب قاری سید اکرام حسین صاحب اپنا چشم دید واقعہ لکھتے ہیں کہ میرے سامنے منشی بہرام خان صاحب انسپکٹر پولیس پنشنر نے حضرت صاحب کی خدمت میں نذر پیش کی۔ حضرت نے قبول نہ فرمائی۔ پوچھا کہ تیرے پاس کوئی اور روپیہ ہے۔ منشی صاحب نے عرض کیا ہاں حضور ہے۔ چنانچہ دوسرا روپیہ پیش کیا وہ بھی قبول نہ فرمایا۔ غرض تیسری دفعہ تیسرا روپیہ قبول فرمایا۔

رشوت کا مال قبول نہ کیا:

جناب مولوی محبوب عالم صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ایک روز تھانہ دار شاہ آباد حاضر خدمت ہوا اور اس نے بائیں جانب کی جیب سے دو یا تین روپے نکال کر بطور نذر پیش کیے۔ حضور نے اشارہ سے فرمایا۔ ہوں ہوں! دوسری جیب سے۔ اس پر تھانہ دار نے دوسری جیب سے کچھ روپے نکالے اور پہلے جو ہاتھ میں تھے ان کے ساتھ ملا کر پیش کیے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ جا۔ اب ہم یہ دونوں نہیں لے سکتے۔ وہ بھی خراب ہو گئے لے جاؤ۔ جب تھانہ دار باہر نکلا تو میں نے

کہ یہ کیا بات تھی۔ اس نے کہا کہ میں نے تنخواہ لی تھی اور ارادہ تھا کہ اس میں سے حضرت شاہ صاحب کو نذر دوں گا۔ راستے میں ایک شخص نے کچھ روپے رشوت کے مجھے دیئے۔ وہ میں نے دوسری جیب میں ڈال لیے۔ مگر پیش کرتے وقت غلطی سے رشوت کے روپے پیش ہو گئے جو منظور نہ ہوئے۔ دوسری جیب سے جو نکال کر دینے لگا تو وہ روپے بھی ان ہی میں مل گئے۔ اس واسطے اب وہ سارے ہی خراب ہو گئے۔ انتہی۔

دعوت کھانی ترک کر دی:

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مشتبہ طعام کا حال بعد میں معلوم ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ جناب مولوی سراج الدین صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ چھاؤنی انبالہ میں اکرم پٹواری نے جس کی دو زوجہ تھیں آپ کی دعوت کی۔ رات کو کباب اور گاجر کا حلوا کھلایا۔ اس وقت کچھ معلوم نہ ہوا۔ مگر صبح کو مراقبہ سے اٹھ کر فرمانے لگے کہ رات کے کھانے میں کچھ تھا۔ میں نے عرض کیا۔ کیا زہر تھا؟ فرمایا۔ زہر فقیروں کو کون دے گا۔ وہ رشوت کا مال تھا۔ ہم نے اس وقت دیکھا کہ میری اور تیری انگلیاں گندگی میں آلودہ ہیں۔ اس پر آپ نے خود یہ قصہ بیان کیا کہ کریم بخش تھانہ دار نے ہماری دعوت کی۔ ہم نے دیکھا کہ کھانے میں سر کے بال اور خون ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ طعام رشوت کے مال کا تھا۔ ہم نے اسے بلا کر توبہ کرائی۔ اس نے پھر دعوت کی۔ ہم نے دیکھا کہ کھانے میں بھڑوں کے بچے ہیں۔ پھر توبہ کرائی اور آئندہ اس کی دعوت کھانی ترک کر دی۔

توجہ کی کیفیت:

جناب مولوی محبوب عالم صاحب اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جن ایام میں لیکھرام آریہ مارا گیا ایک روز بعد مغرب میں حضور سے رخصت ہو کر اپنے قیام گاہ کی طرف چلا۔ جب باہر نکلا تو ایک شخص نے نفیس شیرینی مجھ کو دے کر کہا کہ یہ حضرت صاحب نے آپ کو دی ہے۔ میں نے وہ لے لی اور چل دیا۔ اتنے میں حضور نے نور باطن سے معلوم کر کے ایک آدمی کو دوڑایا۔ کہ مولوی صاحب کو کہو کہ راستے میں اگر کوئی شخص مٹھائی دے۔ تو مت کھانا۔ وہ آدمی مجھ کو آوازیں دیتا تھا۔ لیکن مجھے کچھ سنائی نہ دیا۔ اس اثناء میں راستے میں کیچڑ آیا۔ میں نے کھانے کا ارادہ کیا۔ مگر اس کیچڑ کو جو پھلانگنے لگا تو وہ شیرینی اس میں گر گئی اور میں بھی ورلے کنارے گر گیا۔

اتنے میں وہ آدمی آ پہنچا۔ کہنے لگا کہ حضور نے فرمایا ہے کہ مٹھائی نہ کھانا۔ میں نے کہا۔ وہ تو پہلے ہی تمام کیچڑ میں گر گئی۔

حق پر ہونا:

شیخنا العلامہ مولانا مولوی حاجی حافظ مشتاق احمد صاحب چشتی صابری کا بیان ہے کہ کسی زمانہ میں غیر مقلدین انبالہ نے بحث مباحثہ اہل سنت مقلدین سے شروع کر رکھا تھا۔ نا اتفاقی زیادہ ہو گئی تھی۔ حضرت سائیں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان دنوں کا قصہ مجھ سے اس طرح فرمایا ۔کہ مجھے یہ خیال آیا کہ غیر مقلدین جب حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرتے ہیں۔ تو ان کی مخالفت کیوں کی جاتی ہے اور فکر میں تھا کہ اس کے متعلق مجھے جو حق ہو معلوم ہو جائے۔ آخر الامر ایک شب یہ خواب دیکھا۔ کہ ایک احاطہ میں حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افروز ہیں۔ اس احاطہ کا صرف ایک دروازہ ہے۔ گردا گرد دیوار ہے۔ دیوار کے باہر نصاریٰ بھی کھڑے ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نصاریٰ کی پشت ہے۔ اور غیر مقلدین بھی دیوار احاطہ کے باہر ہیں۔ ان کا چہرہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے۔ مگر اندر جانے کا دروازہ انہیں نہیں ملتا۔ دیوار احاطہ کے باہر کھڑے ہیں۔ اور اہل السنت والجماعت مقلدین حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ بے تکلف دروازہ سے اندر جاتے ہیں اور حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خواب دیکھ کر اطمینان ہو گیا کہ مقلدین امام اعظم و دیگر مقلدین ائمہ حق پر ہیں اور غیر مقلدین غلطی پر ہیں۔ کہتا ہے عاجز مشتاق احمد کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس قصہ خواب کے ذکر کرنے کے بعد انبالہ ہی میں اس عاجز نے حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ مدرس اول دیو بند کو خواب میں دیکھا کہ عاجز سے فرماتے ہیں۔ توکل شاہ نے جو خواب تمہارے سے بیان کیا۔ وہ صحیح ہے۔ میں بھی وہاں حاضر تھا۔ انتہی

علم کے موسمن:

جناب مولوی محبوب عالم صاحب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وسعت علم کا حال حضور علیہ الرحمۃ سے یوں نقل کرتے ہیں۔ کہ فرمایا کہ ایک دفعہ ہم مراقبہ میں تھے۔ ہم نے

دیکھا کہ ایک بہت بڑا حوض ہے۔ جس کا پانی سبز رنگ کا ہے اور بہت ہی گہرا ہے۔ ہم نے بہت ہی غوطے لگائے اور بہت ہی زور مارا۔ مگر اس کی تہہ کا پتہ بالکل نہ لگا۔ پھر ہم نے دیکھا کہ اس حوض میں سے کچھ نہریں نکلی ہوئی ہیں۔ اور حوض کے کناروں پر بہت سی چرخیاں بھی لگی ہوئی ہیں پانی نہر کے ذریعہ سے بھی نکل رہا ہے اور چرخیوں کے ذریعہ سے بھی کھینچتے ہیں۔ اوران کے علاوہ اور بھی ہزار ہا خلقت پانی کھینچ رہی ہے۔ مگر پانی ختم ہونے میں نہیں آتا۔ ہم نے پوچھا۔ یہ کس کا حوض ہے کہا گیا کہ یہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے علم کا حوض ہے۔ تمام عمر اسی طرح کھینچتا رہے۔ تو بھی یہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ باقی حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہم کے علم کے حوض بھی ہم نے دیکھے ہیں۔ وہ پاس ہی تھے۔ گو وہ اپنی مقدار کے لحاظ سے بہت بڑے ہیں مگر اس حوض کے مقابلہ میں بہت چھوٹے نظر آتے ہیں۔ اس روز سے ہم کو حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ سے اس قدر محبت ہوگئی ہے کہ کچھ کہہ نہیں سکتے۔ نہروں کی بابت جو ہم نے پوچھا تو جواب ملا کہ یہ امام محمد کی نہر ہے۔ یہ امام ابو یوسف کی ہے۔ یہ امام زفر کی ہے وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ حوض کا پانی سبز رنگ کا تھا اس سے ہم نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام شریعت کا نور ادھر ہی آگیا ہے۔ انتہیٰ۔

بارگاہِ الٰہی میں قبولیت ومنظوری:

ایک روز تقلید شخصی کا فائدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کا استنباط اور آپ کی عبادت اور زہد وتقویٰ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں منظور ومقبول ہو چکا ہے۔ مسائل شرعیہ بنفس ذاتہا تو خوبصورت تھے ہی۔ اب حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خلوص کی وجہ سے یہ عنایت اللہ تعالیٰ نے حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ پر فرمائی کہ جو کوئی آپ کے استنباط پر عمل کرے۔ اس کے کسب وعمل میں بھی یہ طاقت آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں منظوری وقبولیت کے لائق ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص کی ذاتی تحقیق میں یہ طاقت نہیں ہو سکتی کہ بارگاہ خداوندی میں منظور و مقبول ہو سکے۔ اس لیے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے استنباط اور طریقہ پر عمل کرنا ضروری ہے۔

سلسلہ کی فضیلت:

ذکر خیر میں سلاسل اربعہ صوفیہ کرام کی حقیقت اور سلسلہ نقشبندیہ کی فضیلت کے بارے میں حضرت شاہ صاحب قبلہ سے یوں منقول ہے۔ کہ فرمایا۔ ایک فضیلت تو نقشبندی سلسلہ کی عالم رویا میں یہ دیکھی تھی کہ ایک دفعہ زیارت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہوئی۔ دیکھا کہ میں آپ کے حضور میں بیٹھا ہوں۔ اور آپ کے سینہ مبارک سے چار نہریں نکلی ہیں اور تمام عالم میں جاری ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی وہاں تشریف فرما ہیں۔ منجملہ ان کے ایک نہر اتنی بڑی ہے کہ وہ اکیلی ہی ان تینوں کے برابر ہے۔ اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس بڑی نہر میں بیعت فرمایا۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! اس نہر کا کیا نام ہے۔ آپ نے فرمایا۔ نقشبندی نہر یہی ہے۔ جس وقت بیعت کی قبولیت کے واسطے فرمایا۔ تو میں نے عرض کیا کہ طفیل اپنے میاں صاحب (پیر) کے اس طریقہ کی بیعت کو قبول کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور فرمایا۔ یہی نہریں ہیں جو قیامت تک میری امت کے اولیاء میں جاری اور مجھ تک پہنچاتی رہیں گی۔

ایصال ثواب اور کھانا:

جناب مولوی محبوب عالم صاحب کا بیان ہے۔ کہ ایک روز میں نے عرض کیا۔ کہ حضور ایک شخص نے آج مجھ سے سوال کیا تھا کہ یہ جو ایصال ثواب ہے کہ کھانا وغیرہ پکا کر اللہ تعالیٰ کے واسطے کھلاتے ہیں۔ یہ کھانا پانی وغیرہ تو کھانے والوں کے پیٹ میں چلا جاتا ہے۔ پھر میت کو کیا چیز پہنچتی ہے۔ اور اگر پہنچتی ہے تو کس طریقہ سے۔ فرمایا ہم کچھ پڑھے ہوئے تو ہیں نہیں۔ مگر اس کے بارے میں جو بات ہم کو معلوم ہوئی وہ اس طرح ہے۔ کہ ایک دفعہ ہم نے اپنے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ختم دلایا۔ اور رکابیوں میں کھانا ڈال کر اور سب کے آگے چن کر ان پر فاتحہ کہلائی۔ بحالت مکاشفہ یہ کیفیت دیکھی کہ ان رکابیوں کی نوری شکل بن گئی ہے طعام سے بھری ہوئی۔ اور وہ نوری شکل کی رکابیاں طعام کی بھری ہوئی آسمان پر چڑھ رہی ہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ آسمان سے وہی نوری شکل کی رکابیاں اتر کر حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر میں جارہی ہیں اور آپ ان میں سے کھانا کھا رہے ہیں۔ اس وقت ہماری سمجھ میں آیا کہ جس طرح اس بدن

کی غذا یہ دنیاوی چیزیں ہیں اور بدن ان کو کھا کر مضبوط ہوتا ہے اسی طرح روح کی غذا نور ہے۔ اور روح اسے کھا کر تقویت حاصل کرتی ہے۔ مرنے کے بعد بدن کو تو غذا کی ضرورت نہیں رہتی۔ کیونکہ وہ فنا ہو جاتا ہے۔ البتہ روح کو غذا کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ چونکہ یہ دنیاوی کھانے روح کی غذا نہیں بن سکتے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ ان کھانوں کو نور سے بدلا جائے تا کہ روح کھا سکے۔ اور نور سے بدلنے کا یہ طریقہ ہے کہ یہ طعام اللہ تعالیٰ کے واسطے اس کے بندوں کو کھلا دیا جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ منظور فرما کر کھلانے والوں کو اس کے بدلے نوری کھانا جیسا کہ جنت میں جنتیوں کو ملتا ہے اسی طعام کی مثل دے دیتا ہے۔ مثلاً اگر کسی نے اللہ کے واسطے دودھ دیا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے دودھ ہی دیتا ہے مگر نور کا۔ ایسے ہی کسی نے روٹی دی۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے دیتا تو روٹی ہی ہے مگر ہوتی ہے وہ روٹی نور کی۔ جیسا کہ جنتیوں کو جنت میں کھانے تو ملتے ہیں لیکن وہ نوری کھانے ہوتے ہیں۔ اور یہ نوری کھانا کھلانے والے کا ملک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو جاتا ہے۔ اسی نوری بدلے کا نام اجر و ثواب ہے۔ اب اس کھلانے والے کو اختیار ہے کہ اس نوری بدلے کو اپنی ہی ملک میں رہنے دے یا کسی میت کو بخش دے۔ اگر اپنی ہی ملک میں رکھے گا تو قیامت کے دن خود اس کے کام آئے گا۔ اور اگر کسی میت کو بخشنا ہو تو لامحالہ ایک ایسی ذات کی ضرورت ہے جو یہاں بھی ہو اور وہاں بھی۔ اور ایسی ذات فقط اللہ تعالیٰ ہی کی ہے جو ہر جگہ ہر وقت میں یکساں موجود ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ کے واسطے کھانا وغیرہ کھلایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ طعام جو لوگوں نے کھایا ہے یہ تو ان کے پیٹ میں چلا گیا۔ اس کا اجر و ثواب جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں منظور ہو چکنے کے بعد ہماری ملک ہوتا ہے ہم اس اجر و ثواب کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیتے ہیں کہ خداوندا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل سے اس چیز کا ثواب جس طریقہ سے تو پہنچایا کرتا ہے فلاں شخص کی روح کو پہنچا دے۔ تو اس صورت میں بلاشبہ ثواب پہنچ جاتا ہے لیکن اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ طعام کھلانے میں خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا مندی مدنظر ہو۔ اور اس میں کسی قسم کی ریا۔ شرک۔ نام آوری اور فخر و بڑائی کا دخل نہ ہو۔ اور حرمت و نجاست سے بھی بری ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک ہی لوگوں کی نیکیاں قبول فرماتا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہم نے ایک آیت سنی تھی کہ اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ہی صدقے اور قربانیاں قبول کرتا ہے۔ انتہی۔

مرزا قادیانی کا خط:

جناب قاری سید اکرام حسین صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ایک روز بندہ اور شیخ محمد رمضان صاحب گھڑی ساز حاضر حضور تھے کہ اتفاقیہ دوسرا خط مرزا قادیانی صاحب کا حضرت صاحب کی خدمت میں اس مضمون کا آیا کہ آپ کے ایک لاکھ کے قریب مرید ہیں۔ آپ مجھ کو مسیح موعود مہدی موعود جان کو میری تقلید کریں۔ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ یہ سن کر ہمارے حضرت کو جوش آ گیا۔ فرمایا کہ آج سے اس کا کوئی خط مت لو۔ اگر آئے تو واپس کر دو۔ اتنا فرما کر ارشاد فرمایا کہ دل میں تو یوں آتا ہے۔ کہ جس طرح سے حضرت صابر علیہ الرحمۃ نے کلیر میں ذائقہ چکھایا تھا اسی طرح میں یہیں بیٹھا ہوا مرزا کو تماشا دکھا دوں۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال آتا ہے کہ پچاس سال انبالہ میں سفید لباس میں گزرے۔ اب انبالہ والے دل میں یوں کہنے لگیں گے کہ توکل شاہ نے تمام عمر تو صبر و توکل میں بسر کی۔ اب فقیری جتانے لگا ہے۔ انتہی۔

چور مسافر:

ایک مرتبہ ایک مسافر حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے اسے روٹی کھلائی اور فرمایا کہ اسے جلدی رخصت کرو۔ اس نے عرض کیا۔ حضور میرے پاس سفر خرچ نہیں۔ آپ نے سفر خرچ اکٹھا کروا دیا۔ اور فرمایا کہ جلدی رخصت کر دو۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔ بعد میں ایک درویش نے عرض کیا۔ حضور! یہ تو مسافر تھا۔ اسے اتنی جلدی کیوں رخصت کر دیا۔ فرمایا ہم نے دیکھا کہ اس کی روح کا دہنا ہاتھ کہنی پر سے کٹا ہوا تھا۔ معلوم ہوا وہ شخص کہیں سے چوری کر کے آیا ہے۔ اس کا رخصت کر دینا ہی ٹھیک تھا۔ آخر کار وہ شخص انبالہ سے بمبئی پہنچا۔ دو تین دن کے بعد لوگ اس کی تلاش کرتے ہوئے آئے کہ حضرت یہاں ایک شخص چوری کر کے آیا تھا۔ پھر وہ بمبئی سے گرفتار ہو کر آیا۔

زری دار دستار:

فرمایا۔ ایک بار ہم نے دیکھا کہ ایک نہایت عمدہ زری دار دستار جس کے پلے بٹے ہوئے تھے آسمان سے اتر کر ہمارے پاس آئی ہے۔ ہم سمجھ گئے کہ اب اللہ تعالیٰ کہیں سے بھیجے گا۔ ہم نے میانجی رحیم داد خاں کو اس کا تمام نقشہ اور اس کی طرز و وضع بتا کر کہہ دیا کہ میاں جی صاحب

خیال رکھنا۔ دیکھو اب اللہ تعالیٰ وہ دستار کہیں سے ہمارے پاس بھیجے گا۔ صبح کو جب ہم مراقبہ سے فراغت پا کر باہر آئے۔ تو ایک شخص بعینہ وہی زری دار بٹے ہوئے پلوں کی دستار لیے ہوئے ہمارے پاس آیا۔ ہم نے لے کر میاں جی رحیم داد خاں کو دکھا دی۔ انہوں نے دیکھ کر مطابقت جو کی۔ تو بعینہ وہی نکلی۔

مستقبل کی خبر:

پیر جی سید عنایت حسین صاحب لودھیانوی کا بیان ہے۔ کہ ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ لودھیانہ میں تھے شہر سے جنوب کی طرف دور تک میدان پڑا تھا۔ ایک دن حضور علیہ الرحمۃ حالت سُکر میں اس طرف چلے۔ ہم کئی شخص ساتھ تھے۔ جب شہر سے باہر نکلے۔ تو حضور ادھر ادھر کو قدم بدلتے رہے اور فرماتے رہے کہ یہاں مکانات ہیں۔ ادھر کو راستہ ہے۔ پھر ایک جگہ پیشاب کا ارادہ کیا۔ تو فوراً جگہ چھوڑ دی اور فرمایا کہ یہاں مسجد ہے۔ ہم نے عرض کیا۔ کہ حضور! یہاں تو صاف میدان پڑا ہے۔ نہ مسجد ہے نہ مکانات ہیں۔ کبھی پہلے ہوں گے۔ تو خبر نہیں یا آئندہ ہو جائیں گے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ ہم کو کوٹھوں مسجدوں اور گلیوں کی روحیں نظر آتی ہیں۔ پھر آگے چل کر ایک کھیت میں جا کر لیٹ گئے اور ہم سے فرمایا کہ درختوں کے سایہ میں جا کر آرام کرو۔ کیونکہ گرما کا موسم اور دھوپ کی شدت تھی۔ بڑی دیر کے بعد حضور اٹھے۔ بدن مبارک سرد ہے۔ ہم نے عرض کیا۔ کہ حضور لیٹے تو رہے دھوپ میں۔ مگر بدن مبارک سرد ہے۔ فرمایا کہ جو تجلی رحمت کی بہشت پر وارد ہے اس کا فیضان لے کر ہم نے اپنے اوپر لپیٹ لیا تھا۔ اور کچھ نیچے بچھائی تھی۔ اس واسطے ہم آرام سے سوئے رہے۔ دھوپ اور گرمی کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ تم چونکہ وہ فیضان نہیں لے سکتے۔ اس واسطے ہم نے تم کو درخت کے سایہ میں بھیج دیا تھا۔ اس واقعہ کے ایک سال کے بعد اس میدان میں وہی صورت وقوع میں آئی۔ یعنی حضور علیہ الرحمۃ نے جس جگہ مسجد فرمائی تھی وہاں مسجد اور جس جگہ مکان و آبادی وغیرہ فرمائی تھی وہاں وہی حالت ہو گئی۔ اور وہ تمام زمین شہر کی آبادی میں آ گئی۔ انتہی

تذکرہ تو کلیہ میں ہے:

لڑکا اور آدمی:

سائیں مغلی شاہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دن بارہ بجے رات کو حکم دیا۔ کہ دیکھو مسجد میں ایک لڑکا اور ایک آدمی بھوکے سوتے ہیں۔ ایک درویش کو بھیجا۔ تو معلوم ہوا کہ بے شک وہ دونوں بھوکے تھے۔ ان کو روٹی بھجوائی۔

مراقبہ کی کیفیت:

ایک بار آپ نے صبح کے وقت مراقبہ کیا۔ اور بعد اس کے فرمایا کہ آج ہمیں حکم ہوا کہ تمہارے پاس ایک غریب آئے گا۔ اس کے پاس جوتا نہیں۔ تم اس کو جوتا پہنانا۔ آپ کی طبیعت کو بڑا انتشار ہوا کہ یہ حکم کس واسطے ہے۔ آخر دن بھر اسی انتظار میں گزرا۔ جب عصر کی نماز سے فارغ ہوئے۔ اور دن تھوڑا سا باقی رہا۔ تو ایک طالب علم پا برہنہ آیا۔ اور اس نے آ کر جوتے کا سوال کیا۔ آپ نے خادم سے کہا کہ یہی وہ شخص ہے۔ اسے بازار لے جا کر جوتا پہناؤ۔ چنانچہ اسی وقت خادم لوگ اس کو بازار لے گئے اور نیا جوتا پہنایا۔ انتہی۔

جوگی کا لڑکا:

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب ذکر کرتے ہیں۔ کہ جب آپ جذب کی حالت میں تھے ایک جوگی کا لڑکا آپ کو گانا سنا کر خوش وقت کیا کرتا تھا۔ فرماتے تھے کہ مولوی ہم نے دیکھا کہ ہمارے اور اس جوگی کے درمیان آگ روشن ہے۔ ہم نے اس کو جواب دے دیا کہ اب مت آیا کرو۔ وہ لڑکا بہت روتا تھا اور چاہتا تھا کہ الگ نہ ہو۔ مگر ہم نے اس سے کہا کہ اب حکم نہیں ہے۔ تم اپنا کام کرو۔ پھر وہ نالاں و گریاں چلا گیا۔ انتہی۔

مستوں کی کثرت:

جناب قاری سید اکرام حسین صاحب لکھتے ہیں کہ بروایت ثقہ معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ حضرت صاحب کھانا تناول فرما رہے تھے کہ یکا یک مراقب ہو کر فرمانے لگے۔ آہا! لاہور کے تو ہر کوچہ و بازار میں آج مست پھر دے (پھرتے) دکھائی دیتے ہیں۔ اسی اثناء میں ایک شخص لاہور سے آپ کی زیارت کے لیے آ نکلا۔ اس نے آپ کے اس قول کی تصدیق کی اور کہا واقعی لاہور

میں مستوں کی کثرت ہے۔ انتہیٰ۔

جناب سید رفیق احمد صاحب بی اے۔ حال سینئر جج لودھیانہ خلف الصدق جناب سید فیض محمد صاحب پنشنر انسپکٹر بنک ہائے زراعتی انبالہ شہر نے بتاریخ ۲۶ صفر ۱۳۵۷ھ اپنی کوٹھی پر واقعات ذیل مجھ سے ذکر کیے:

ترقی ہوگئی:

میرے والد مسٹر یلمن صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ کے دفتر میں پچیس روپے ماہوار کلرک تھے ان کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ترقی (پچیس سے تیس) کا موقع آیا۔ تو امیدواروں کی کثرت تھی۔ میں حضرت قبلہ سائیں توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے درِ دولت پر حاضر ہوا۔ حجرہ کا دروازہ بند تھا۔ آپ ذکر الٰہی میں مشغول تھے۔ میں چپکے سے دروازے کے باہر بیٹھ گیا۔ آپ نے نور باطن سے معلوم کرلیا۔ اور آواز دی۔ ”ڈاڈھے سید! اندر آجاؤ“ میں حاضر خدمت ہوا۔ تو آپ نے دنیا کی بے ثباتی پر تقریر فرمائی۔ پھر میرے قلب کو اپنے قلب سے لگا کر دریافت کیا۔ کیا اب کوئی دنیوی خواہش باقی ہے۔ میں نے دو دفعہ نفی میں جواب دیا۔ آپ نے تیسری بار بتاکید تمام فرمایا۔ کہ ہُن ویلا ہے۔ مانگو جو چاہو۔ میں نے ترقی کی خواہش ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا۔ ایسا ہی ہو جائے گا۔ دوسرے روز صاحب بہادر نے امیدواروں کو طلب کیا۔ میں قصداً حاضر نہ ہوا اور اپنے کام میں مشغول رہا۔ صاحب بہادر نے فرمایا کہ زیادہ مستحق تو حاضر ہی نہیں۔ پھر مجھے طلب کر کے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو۔ میں نے اظہار مطلب کیا۔ صاحب بہادر نے فوراً میرے ہی حق میں فیصلہ کر دیا۔

دل کی تمنا:

میرے والد فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے دل میں اپنی سیادت کی تصدیق کی تمنا پیدا ہوئی۔ میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے عمامہ اتار کر رکھا ہوا تھا اور وضو فرما رہے تھے۔ جب آپ وضو سے فارغ ہوئے تو میں نے بپاس ادب عمامہ اٹھا کر دیا۔ آپ بہت خفا ہوئے فرمانے لگے کہ میں اس وقت حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

دیکھ رہا ہوں۔ مجھ سے جواب طلب فرما رہے ہیں کہ تم اب سادات سے بھی خدمت لینے لگے ہو۔ پھر شاہ صاحب نے مجھ سے معافی مانگی اور عہد لیا کہ آئندہ کبھی ایسا نہ کرو گے۔

صاحبِ خدمت:

میری دادی صاحبہ حاملہ تھیں۔ ان کو مرض اسہال کی کبدی عارض ہوا۔ مایوسی کے عالم میں میرے جد بزرگوار حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور واقعہ عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ صاحب خدمت کا کام ہے۔ جدّ بزرگوار نے عرض کیا۔ کہ ہم تو اس راہ سے بالکل نابلد ہیں۔ آپ صاحب خدمت کا نام ونشان بتا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ فلاں دروازے میں ایک بڑھیا پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے بیٹھی ہے۔ وہی صاحب خدمت ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ فقیروں کی خدمت میں خالی ہاتھ نہ جانا چاہئے۔ یہ سن کر جدّ بزرگوار ہ سیب لے کر اس بڑھیا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ بے نقط گالیاں سنانے لگی۔ پھر بڑبڑانے لگی کہ میرا راز افشاء کرتا ہے۔ جدّ بزرگوار نے نہایت تحمل سے کام لیا اور سیب پیش کیے۔ اس نے لے کر راکھ میں پھینک دیئے۔ پھر ایک رکھ لیا۔ اور دوسرا میرے جدّ بزرگوار کو دے دیا۔ وہ اسے لے کر حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں آئے۔ آپ نے فرمایا۔ اس میں دو بشارتیں ہیں۔ اول تو یہ کہ تمہاری اہلیہ زندہ رہے گی۔ دوسری یہ کہ لڑکا پیدا ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ساتواں باب

کرامات وتصرّفات

جھوٹے مقدمے سے خلاصی:

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب کا بیان ہے کہ میرے مکرم میر امتیاز علی صاحب منصف شہر انبالہ کے خلاف ایک فوجداری کا مقدمہ دائر ہوا۔ آپ نہایت پریشان ہو کر مجھ سے کہنے لگے کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دعا کراؤ کہ اللہ تعالیٰ رحم کرے اور بلا دور کرے۔ میں نے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کیا۔ شام کو مراقبہ سے فارغ ہو کر فرمانے لگے

کہ یہ معلوم ہوا ہے کہ کچھ کاغذات شکایات کے واپس ہو گئے ہیں۔ کئی روز کے بعد منصف صاحب فرمانے لگے کہ جس قدر شکایات افسروں نے دشمنوں کے کہنے سے کی تھیں سب کی سب فضول اور لغو سمجھ کر داخل دفتر ہو گئیں۔ جب آخر تاریخ مقررہ آئی۔ تو منصف صاحب اعداء کے حالات سن کر بہت پریشان تھے۔ اسی حال میں میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے بعد مغرب مراقبہ سے فراغت کے بعد دعا کے لیے عرض کیا۔ آپ نے کچھ تامل کے بعد فرمایا۔ کہ کل انشاء اللہ اصل دشمن منصف صاحب کے پاؤں میں گرے گا۔ تسلی رکھو۔ منصف صاحب یہ سن کر بہت متعجب ہوئے۔ ان کو اس ارشاد کا یقین نہ آیا۔ کیونکہ یہ معاملہ زبردست وکلاء نے منصف صاحب کے خلاف ایک سکھ سے اٹھوایا تھا۔ خدا کی قدرت دوسرے روز دن کے دو بجے منصف صاحب سکول میں میرے پاس تشریف لائے۔ اور میرے ہاتھ چومنے لگے کیونکہ میں نے یقین دلایا تھا کہ انشاء اللہ اس میں سرِ مو فرق نہ ہوگا۔ اور بڑی حیرانی سے کہا کہ میاں سب وکلاء نے اس کو چھوڑ دیا اور الگ ہو گئے۔ آخر مجبور ہو کر وہی دشمن پیشی سے پہلے میرے قدموں میں آگرا۔ میں نے تحریری درخواست معافی لے کر معاف کر دیا۔ اور خدا کا شکر بجالایا۔ میں نے شاہ صاحب کی خدمت میں یہ قصہ سنایا۔ آپ خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ منصف نیک آدمی ہے۔ خدا نے جھوٹوں کو ذلیل کیا۔

باعزت رہائی:

ڈپٹی حمید علی صاحب مرحوم سہارنپوری شہر انبالہ میں تحصیل دار تھے۔ اور شاہ صاحب کے نہایت معتقد تھے۔ اکثر کھانے کے وقت آتے۔ تو شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کھانا کھایا کرتے تھے۔ ان پر بغاوت کی تہمت لگی۔ اور وہ زمانہ اس قدر خطرناک تھا کہ باغی کے لیے پھانسی کے سوا دوسرا حکم ہی نہ تھا۔ تاریخ سے ایک دن پہلے ڈپٹی صاحب مرحوم شاہ صاحب کی خدمت میں آئے اور بدستور کھانے میں شریک ہوئے۔ کھانا کھاتے ہوئے عرض کرنے لگے کہ حضور! کل میں شاید زندہ بھی نہ رہوں۔ اب حضور میرے واسطے دعائے مغفرت فرمائیں۔ حضور شاہ صاحب فرمانے لگے۔ کیوں؟ ڈپٹی صاحب نے اپنا قصہ سنایا۔ شاہ صاحب قدس سرہ تامل کے بعد فرمانے لگے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ تم انشاء اللہ بری ہو کر پھر ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ گے

۔دوسرے دن ڈپٹی صاحب عدالت میں جاتے ہی عزت کے ساتھ بغاوت کی تہمت سے بری ہوئے۔اور اپنی بریت کا قصہ سنایا۔شاہ صاحب بھی خوش ہوئے اور آئندہ کے لیے دعائے خیریت فرمائی۔

مسجد کا تنازعہ:

ضلع انبالہ کے ایک گاؤں میں مسلم و غیر مسلم آبادی میں ایک مسجد کے بارے میں تنازع ہوا۔عدالت ماتحت نے انہدام مسجد کا حکم دیا۔مسلمانوں نے کمشنری میں اپیل دائر کی۔میانجیو عبدالرحیم صاحب نے اس بارے میں حضرت شاہ صاحب کے بن دیکھے معتقد لالہ گنگا بشن سرشتہ دار صاحب کمشنر بہادر کے نام حضرت شاہ صاحب سے ایک پرچہ لکھوا کر سرشتہ دار صاحب کی خدمت میں شملہ جا کر پیش کیا۔سرشتہ دار صاحب میانجیو صاحب سے کہنے لگے کہ اس شکل کے آدمی مجھ سے آ کر فرما گئے ہیں کہ ہمارا رقعہ بے فائدہ نہ جائے۔حضور کی وہی شکل تھی۔سرشتہ دار صاحب نے وہ کام کر دیا۔اور شہر انبالہ آ کر حضور کے قدموں میں گر پڑے اور خفیہ تعلیم حاصل کی۔اور خاص معتقدین کے سلسلہ میں داخل ہوئے۔اسی طرح بہت سے اہل ہنود آپ سے تعلیم پاتے تھے اور نماز بھی ادا کرتے تھے۔حضور فرمادیا کرتے تھے کہ جب تک اسلام ظاہری طور پر اختیار نہ کرو گے اصل فائدہ نہ ہوگا۔

کنویں کا پانی:

بوڑیہ کے جنگل میں ایک درویش صبح کے وقت نماز فجر کے۔لیے پانی تلاش کرنے لگے۔نہ ملا۔ایک اندھے مٹی سے اٹے ہوئے کوئیں سے خطاب کر کے فرمایا کہ تو ہی وضو کے لیے پانی دے دے۔وہ کنواں اُبل پڑا۔درویش نے وضو کر کے نماز فجر ادا کی اور چل دیئے۔اس کنوئیں کا پانی امراض کے لیے اکسیر کا حکم رکھتا تھا۔حاجت مند اپنی اپنی ضروریات کے لیے جانے لگے۔راوی یعنی مولوی سید ظہور الدین صاحب کا بیان ہے کہ میں نے حضور سائیں صاحب کی خدمت میں یہ قصہ عرض کر کے التجا کی کہ اگر معلوم ہو جائے کہ درویش صاحب کون تھے تو بہتر ہے کیونکہ اکثر صاحب کی خواہش ہے۔علی الصباح حضرت سائیں صاحب نے فرمایا کہ وہ درویش صاحب میرے پاس آئے ہوئے تھے۔سوال پر انہوں نے جواب دیا کہ ہم ابدال ہیں۔بطور سیر

ادھر بھی آ گئے تھے۔ نماز صبح کا وقت تنگ ہو رہا تھا۔ اس لیے خدا کے فضل کی امید پر یہ معاملہ ہوا ہے۔

بزرگوں کی بے ادبی پر سزا:

قصبہ انبہٹہ ضلع سہارنپور میں حضرت سائیں صاحب کے ایک صاحب کشف خلیفہ سیدنا شاہ ابولمعالی قدس سرہ کے سجادہ نشینوں کے خلاف دعائیں کرتے تھے۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ سائیں صاحب کی خدمت میں سلام کے بعد یہ پیغام پہنچا دیں کہ ہم بھی کسی کامل کے دامن سے لگے ہوئے ہیں اور بے قصور ہیں۔ جناب کے خادم ہمارے لیے بددعائیں کرتے ہیں ۔میں جب انبالہ آیا۔ تو وہ پیغام حضرت شاہ صاحب کو پہنچا دیا۔ آپ نے فوراً یہ فرمایا کہ مولوی! وہ تو گر پڑا۔ اس نے شاہ ابوالمعالی قدس سرہ کی اولاد کے خلاف سعی کی۔ تیسرے دن وہ خلیفہ صاحب پریشان ہو کر میرے پاس آئے کہ میں ڈوب گیا۔ جو نعمت مجھے ملی تھی وہ مجھ سے لے لی گئی ۔اور میں اپنے تئیں کیچڑ میں دھنسا ہوا دیکھتا ہوں۔ خدا کے واسطے میرے لیے حضور سے سفارش کرو۔ کئی مرتبہ حضور سے معافی کے لیے عرض کیا گیا۔ آخر دو ماہ کے بعد وہ اپنے اصلی مرتبہ پر بحال ہو گئے۔ حضور فرماتے تھے کہ بزرگوں کی اولاد سے حتی الوسع محبت اور ادب سے پیش آنا چاہئے۔

جن بھاگ گیا:

انبالہ شہر میں ایک غریب بڑھیا کی بیٹی پر جن کا اثر غالب ہوا۔ اس نے ادھر ادھر تعویذ گنڈے کرنے کے بعد پیر جیو عنایت اللہ صاحب کو حضرت سائیں صاحب کی خدمت میں بھیجا کہ اس آفت میں مجھ غریب کی امداد فرمائیے۔ پیر جیو صاحب نے بڑھیا کا سلام و پیغام حضرت صاجب کی خدمت میں پہنچا دیا۔ آپ نے فرمایا کہ جن سے ہمارا سلام کہو۔ اور یہ کہہ دو کہ غریب بڑھیا کی بیٹی کو تکلیف نہ دو۔ پیر جیو صاحب نے جس وقت سائیں صاحب کا سلام کہا۔ جن یہ کہہ کر چلا گیا کہ حضرت کو کیوں تکلیف دی۔ مگر دوسرے دن پھر آ گیا۔ بڑھیا نے پھر پیر جیو صاحب کو حضرت کی خدمت میں بھیجا کہ جن تو پھر آ گیا۔ شاہ صاجب نے دوبارہ سلام کہلا بھیجا۔ جن سلام سنتے ہی چلا گیا۔ مگر پھر آ گیا۔ پھر جیو صاحب نے یہ ماجرا عرض خدمت کیا۔ اس وقت اتفاقاً خلیفہ

امیر اللہ شاہ صاحب حضرت کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت نے جوش میں آ کر خلیفہ صاحب سے فرمایا۔ امیر اللہ! جاؤ۔ اس کو ڈنڈے مار کر نکال دو۔ خلیفہ صاحب نے تعمیل کی اور ڈنڈے مارنے شروع کیے۔ جن صاحب مار کھا کر چلے گئے اور پھر کبھی واپس نہیں آئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ اس وقت سے خلیفہ صاحب میں وہ وصف پیدا ہو گیا۔ کہ جہاں کوئی آسیب زدہ ہوتا۔ آپ جوش میں آ کر اس کو ڈنڈوں سے مارنا شروع کر دیتے۔ اور جن ڈنڈے کھا کر رخصت ہو جاتا اور پھر نہ آتا۔ خلیفہ صاحب کا یہ وصف مشہور ہو گیا۔ آسیب زدہ جوق در جوق خلیفہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ اس طرح خلیفہ صاحب کے معمولات میں بھی حرج ہونے لگا۔ مجبور ہو کر خلیفہ صاحب حضرت سائیں صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آسیب زدگان کی کثرت سے میرے معمولات میں حرج ہو رہا ہے۔ خدا کے واسطے میرے لیے دعا فرمائیں کہ مجھ میں یہ وصف نہ رہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم کو اس وصف سے تکلیف ہے۔ جانے دو۔ نہ سہی۔ اسی وقت سے یہ وصف خلیفہ صاحب میں نہ رہا۔

ترقی ہوگئی:

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ جناب مولوی خلیفہ عماد الدین صاحب لاہوری نے انسپکٹر صاحب سے کچھ کہہ کر مجھ کو بمشاہرہ تیس روپے ترقی پر جگادھری بھیج دیا۔ مگر وہاں کے مدرس صاحب سید مظہر حسن صاحب سہارنپوری نے ترقی پر جانے سے انکار کر دیا۔ جب شاہ صاحب سے اس کا ذکر آیا۔ تو فرمانے لگے۔ مولوی! بادل چڑھا ہوا ہے برسنے کی دیر ہے۔ تیری ترقی تو انشاء اللہ قریب ہی ہونے والی ہے۔ ایک ہفتہ یا کچھ کم و بیش عرصہ کے بعد ہاروے صاحب نے مجھ کو تیس روپے ماہوار پر مدرس فارسی کر کے حصار سکول میں بھیج دیا۔

حکم منسوخ ہو گیا:

جناب سید صاحب انبھٹوی کا بیان ہے کہ احقر کی تبدیلی ہائی سکول ریواڑی میں مولوی مقرب علی صاحب کی جگہ ترقی پر عارضی طور پر ہوگئی۔ احکام جاری ہو گئے۔ میری روانگی کے لیے

حکم آگیا۔ حضرت شاہ صاحب کی جدائی کی وجہ سے میں ریواڑی جانا پسند نہ کرتا تھا۔ حضرت کی یہ عادت مستمرہ تھی کہ اگر یہ خادم مراقبہ میں شامل نہ ہوتا۔ تو حضرت مجھے زیارت کرا کر مکان پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ میں مسجد میں حضور کے کمرے میں رہتا تھا۔ حسب عادت قدیمہ آپ حجرہ میں تشریف فرما ہوئے اور فرمانے لگے۔ کیا سبب ہے جو مراقبہ میں شامل نہیں ہوئے۔ لکھی شاہ صاحب کے مزار پر بھی حاضر ہوئے یا نہ؟ میں نے گستاخانہ طور پر عرض کیا۔ کہ میں لکھی شاہ میں حاضر ہو کر کیا کروں گا جب مجھ کو انہوں نے یہاں سے روانہ ہی کر دیا۔ سائیں صاحب فرمانے لگے۔ لکھی شاہ صاحب تم سے بہت خوش ہیں۔ شکستہ دل نہ ہو۔ تم کو تو ہم نے خدائے تعالیٰ سے عرض کر کے انبالہ ہی رکھ لیا ہے مولوی نور احمد صاحب مدرس اول میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے جوش محبت وعقیدت میں انشاءاللہ کہہ کر قسم کھائی کہ اب میں ریواڑی نہیں جاؤں گا ۔ مولوی نور احمد صاحب میری ایسی عقیدت کے خلاف تھے۔ کہنے لگے کہ حکم آچکا۔ اب تم کیسے رک سکتے ہو۔ تمہارے زنانے عقیدے فضول ہیں۔ تم کو ضرور جانا ہوگا۔ میں نے پھر زور سے روانگی کے رُکنے کا اظہار کیا۔ مولوی نور احمد صاحب نے فرمایا کہ اگر تم جائز طور پر رُک گئے۔ تو میں کل ہی شاہ صاحب کا مرید ہو جاؤں گا۔ میں نے کہا یہ تم کو اختیار ہے۔ مگر انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا جیسا حضرت سائیں صاحب فرماتے ہیں۔ صبح کو جب سکول کی حاضری ہوئی۔ تو ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس تار آگیا کہ سید ظہور الدین کو ریواڑی روانہ نہ کرنا۔ پہلا حکم منسوخ سمجھو کیونکہ مولوی مقرب علی نے ترقی پر جانے سے انکار کر دیا۔ مولوی نور احمد صاحب حیران ہوئے۔ اور شام کو شیرینی ہمراہ لے کر بعد عصر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور داخل سلسلہ ہو گئے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ وہی مولوی نور احمد صاحب ہیں۔ جنہوں نے بعد میں تذکرہ تو کلیہ تالیف کیا۔ اس میں اپنا حال یوں بیان کرتے ہیں۔

میں نے حضرت صاحب قبلہ کو بڑھاپے میں دیکھا ہے۔ جب کہ سر کے بال سیاہ وسفید تھے۔ میں ایک ایسا شخص تھا کہ جس کی نظر میں کوئی فقیر جچتا نہ تھا۔ اور ہمیشہ نکتہ چینی کی سوجھا کرتی تھی۔ لیکن شاہ صاحب کو دیکھنا تھا کہ بس شاہ جی کے ہو گئے۔

آں دل کہ رم نمودے از خوبرو جواناں　　　دیرینہ سال پیرے بُردش بیک نگاہے

چہرے کی تبدیلی:

ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ ایک مولوی صاحب میرے پاس آئے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ان کا چہرہ گدھے کی مانند ہے۔ ایک اور بھی نافرمانی کی بات فرمائی۔ ہمارے دل میں خوف الٰہی ہوا اور بار بار دربار الٰہی میں توبہ کی۔ پھر بحکم خدا ہم نے اس کو درود شریف پڑھنے کی تعلیم کی۔ خدا کے فضل سے وہ نفس جاتا رہا۔ اور وہ مولوی صاحب اپنے اصلی بابرکت چہرہ کے ساتھ دکھائی دینے لگے۔

یک زمانے صحبت با اولیا   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

شہید کو جنگ کرتے دکھا دیا:

ایک دفعہ حضرت شاہ صاحب بمقام دورالہ مسجد میں اپنے مریدوں کو توجہ دے رہے تھے۔ ایک مرید نے عرض کیا کہ حضرت جی! یہ جو خانقاہ سامنے ہے حضرت شاہ ملک شہید کی ہے۔ کسی نے ان کو بے سر خونچکاں دیکھا تھا۔ اور بھی بہت سے سواران کے ساتھ تھے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ اگر تم کو بھی دیکھنا منظور ہو تو آؤ۔ دوزانو ہو کر بیٹھ جاؤ اور آنکھیں بند کر لو۔ جب انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ تو کیا دیکھا کہ حضرت ملک شہید برچھا ہاتھ میں لیے ہوئے جنگ میں مصروف ہیں۔ اور بدن سے خون جاری ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آنکھیں کھول دو۔ اور تاکید کی کہ کسی پر یہ بات ظاہر نہ کرنا۔

میاں جی عبدالقادر صاحب بیان کرتے ہیں کہ ان لوگوں میں سے تین آدمی اس وقت کو یہ کتاب (تذکرہ توکلیہ) لکھی جا رہی ہے اور ۱۳۱۸ ہجری ہے قمر خاں وغیرہ زندہ ہیں۔ جسے اعتبار نہ ہو۔ ان سے پوچھ لے۔

جن بھاگ گیا:

جب منشی محمد حمزہ صاحب قانون گو کھرڑ سے انبالہ تبدیل ہو کر آئے تو ان کی لڑکی کو آسیب کا خلل ہو گیا۔ وہ اس کو حضرت صاحب کی خدمت میں لایا کرتے۔ جب وہ حضرت کے مکان کے قریب آیا کرتی۔ تو آرام ہو جایا کرتا۔ مگر جب اپنے مکان میں جاتی۔ پھر تکلیف شروع

ہو جاتی۔ ایک دن قانوں گو صاحب نے تنگ آ کر عرض کیا۔ حضرت جی! مجھے اس جن نے تنگ کر دیا۔ خدا کے واسطے اس کا علاج کر دیجئے۔ یہ سن کر آپ مراقب ہوئے۔ چند منٹ کے بعد سر مبارک اٹھا کر فرمایا۔ کہ میاں! میں تو تمام انبالہ شہر میں لاٹھی لے کر پھر آیا۔ اس جن کا کہیں پتہ نہیں لگا۔ اب وہ چلا گیا ہے۔ امید ہے کہ نہیں آئے گا۔ چنانچہ اسی دن سے لڑکی کو آرام رہا۔

مراقبہ سے چونکنا:

ایک دفعہ چھاؤنی انبالہ میں میر یوسف علی صاحب نے اپنی صاحبزادی کو نماز عشاء کے بعد زور سے آواز دی۔ انبالہ شہر میں میاں صاحب قبلہ مراقبہ سے چونک اٹھے اور کریم بخش سے کہا کہ دیکھو سید کس طرح زور سے لڑکی کو پکار رہا ہے۔

نوکری مل گئی:

مولوی اکرم حسین صاحب کرنالی بیان کرتے ہیں کہ دس بجے دن کا وقت تھا۔ میں حاضر خدمت تھا۔ میر یوسف علی صاحب بھی حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت صاحب! میں نے چھاؤنی انبالہ کی نوکری چھوڑ دی ہے۔ اب مجھ کو نوکری دلوایئے۔ مگر سو روپے سے کم کی نہ ہو۔ حضرت صاحب نے فرمایا۔ جاؤ ہو جائے گی۔ چنانچہ اگلے ہی دن ایک سو دس روپے ماہوار کی جگہ ریاست پٹیالہ میں مل گئی۔

لڑکا مر گیا:

ایک دن آپ نے اپنے خادم کریم بخش سے خفگی میں فرمایا کہ تیرا چراغ گل ہو گیا۔ چنانچہ چند روز میں ان کا جوان لڑکا مر گیا۔

غیب کی خبر:

ایک دن خادم کریم بخش سے فرمایا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ تیرے سر میں لٹھ لگا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی اہلیہ کو لے کر مظفر نگر کو گئے تو ڈاکہ پڑا اور ان کے لٹھ لگا۔

سلسلہ اولاد جاری ہو گیا:

حضرت صاحب قبلہ دہلی اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے۔اور خواجہ باقی باللہ میں قیام ہوا کرتا تھا۔ ۱۸۶۲ء میں ایک دن حکیم لطیف حسین خاں صاحب نے دعوت کی۔آپ تشریف لے گئے تو حکیم جی صاحب سے فرمایا۔کہ تمہارے مکان سے ایانے (بچہ) کے رونے کی آواز آتی ہے۔حکیم جی نے عرض کیا۔کہ حضرت جی! یہاں تو کوئی بچہ نہیں ہے۔آپ نے فرمایا۔خدا دے گا چنانچہ اسی سال حکیم جی صاحب کی بڑی لڑکی پیدا ہوئی۔سلسلہ اولاد خدا کے فضل سے جاری ہو گیا ورنہ مایوسی ہو گئی تھی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت:

حافظ خیر الدین پنجابی کا بیان ہے۔کہ میں ایک مرتبہ حاضر خدمت تھا۔مولوی سراج الدین صاحب دہلوی شاہ حسن رسول نما (جن کا مزار دہلی میں ہے) کا ذکر خیر حضرت صاحب قبلہ سے کرنے لگے کہ وہ ہر کس و ناکس کو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرا دیتے تھے۔میں نے یہ حکایت سن کر اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر میں ان کے وقت میں ہوتا۔تو ان کا مرید ہو کر حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال باکمال سے مشرف ہوتا۔میں نے یہ خیال دل میں کیا ہی تھا کہ اسی وقت حلقہ مجلس میں بیٹھا ہوا بے ہوش ہو گیا۔اور حضرت صاحب مجھ کو اپنے تصرف خاص سے مدینہ لے گئے اور زیارت با کرامت سے مشرف کرا دیا۔ جب میں ہوش میں آیا تو حضرت صاحب نے فرمایا۔کیوں حافظ کہاں گیا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ جہاں حضور والا لے گئے تھے۔

ابدال کی زیارت:

مست الٰہی بخش نامی حضور کے پرانے مرید تھے۔ان کا بیان ہے کہ ایک روز میں اپنے موضع کوڑوہ سے حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نے ارشاد فرمایا۔کہ تو ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ ابدال کیسے ہوتے ہیں۔آج موقع ہے۔اگر تو دیکھنا چاہتا ہے۔تو دیکھ آ۔ایک ہمارے دوست مولوی مست علی نامی ابدال دہرہ دون کے پہاڑ میں رہتے ہیں۔ان کے پاس جا۔اور یہ

چیز ہماری طرف سے لے جا۔ اور دے کر شام کو واپس انبالہ آکر ہم کو اطلاع دے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ حضور والا! وہاں ریل گاڑی نہیں جاتی۔ اور کسی قسم کی سواری لے جانے کی مجھ میں گنجائش نہیں۔ پیدل اس قدر جلدی آنا جانا غیر ممکن ہے۔ اگر حضور انور اپنے تصرف خاص سے جلدی پہنچا دیں اور شام کو بلا لیں۔ تو مجھ کو کچھ عذر نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جا چلا جا۔ کسی سواری کی حاجت نہیں۔ خاصان خدا کی زیارت کو جاتا ہے۔ پھر اندیشہ کیوں کرتا ہے۔ اللہ پاک مالک ہے غرض میں نے دہرہ دون کی راہ لی۔ اب میں راستے کی کیفیت کیا بیان کروں۔ واللہ باللہ میں اس طریق سے راستہ کو طے کرتا جاتا تھا۔ جیسا کہ ہوا جایا کرتی ہے۔ مجھ کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ اور مجھ کو کون لیے جا رہا ہے۔ القصہ جب میں دہرہ دون کے جنگل میں پہنچا۔ تو مجھ کو سینکڑوں جانوروں نے آگھیرا۔ میں گھبرایا۔ اور خائف ہو کر حضرت صاحب کی صورت کا خیال کیا۔ حضرت صاحب میرے سامنے آگئے۔ آپ نے با آواز بلند فرمایا۔ کیوں گھبراتا ہے۔ یہ آپ کا فرمانا تھا کہ وہ فوراً چلے گئے۔ اور میں مولانا شاہ مست علی صاحب ابدال کے صومعہ کے قریب جا پہنچا۔ مولانا ممدوح نے دور ہی سے مجھے دیکھ کر فرمایا۔ کیا الٰہی بخش تجھ کو جنگل کے گیدڑوں نے گھیر لیا تھا۔ میں ان کو بلاؤں۔ اتنا فرما کر مولانا صاحب نے ایک آواز دی کہ آؤ رے جنگل کے گیدڑو! آپ کے پکارنے کے ساتھ سینکڑوں شیر دم ہلاتے مولانا کے سامنے سلام کر کے بیٹھ گئے۔ میں یہ حالت دیکھ کر حیران تھا۔ کہ اے پروردگار! سچ ہے جو تیرا ہو جاتا ہے۔ تو اس کا ہو کر دنیا کی کل چیزیں اس کے تابع بنا دیتا ہے۔ اس کے بعد مولانا صاحب نے فرمایا۔ کہ جاؤ رے گیدڑو! ہمارے مہمان کو نہ ستانا۔ القصہ وہ چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد آپ نے مجھ سے کہا۔ الٰہی بخش! تو دودھ پئے گا؟ میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ یہاں اس پہاڑ میں بھلا دودھ کہاں۔ آپ نے میرے خطرہ پر آگاہ ہو کر فرمایا۔ آتجھ کو دودھ پلا ہی دوں۔ حسب الارشاد میں مولانا صاحب کے صومعہ میں گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک برتن میں دودھ گرم ہو رہا ہے۔ میں ششدر رہ گیا۔ مولانا نے مجھ کو خوب دودھ پلایا۔ پھر فرمایا۔ جا شاہ صاحب نے تجھ کو یہ بھی فرمایا تھا کہ شام کو آکر اطلاع دینا۔ الحاصل جس طرح راستہ طے کر کے گیا تھا اسی طرح شام کو حاضر ہو کر حضرت صاحب کو اطلاع دی۔ حضرت صاحب بہت خوش ہوئے۔ اور فرمایا۔ گھبراتا کیوں تھا۔ اللہ والوں کی اللہ خود حفاظت کرتا ہے۔

لڑکے کی ولادت کی خبر:

خلیفہ مظفر علی خاں صاحب کا بیان ہے کہ ایک روز یہ غلام سرسہ میں اپنی اہلیہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ کہ اتنے میں حضرت صاحب کا کرامت نامہ صادر ہوا۔ کہ ہم کو مشاہدہ ہوا ہے کہ تمہارے گھر میں لڑکا پیدا ہوگا۔ اہلیہ یہ خبر سن کر خاموش ہوگئی۔ جب میں نے دریافت کیا تو کہا کہ مجھ کو کچھ شبہ ہے کہ ایک دو ماہ کا حمل ہے۔ چنانچہ حسب بشارت میرے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔

جنتی ہونے کی بشارت:

جناب قاری سید اکرام حسین صاحب کا بیان ہے کہ ایک روز بندہ مع چند برادران طریقت کے حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ اور آپ مرض موت میں مبتلا تھے۔ اسی اثناء میں دو شخص بیعت ہونے کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ نے اسی حالت میں ان کو بیعت کیا۔ جس وقت شیرینی پر دم کر کے کھلانے لگے۔ تو بخلاف تمام عمر کے حاضرین مجلس سے خطاب کر کے فرمایا۔ کہ جو شخص ان الائچی دانوں کو کھائے گا وہ قطعی جنتی ہوگا۔

کوتوال بنا دیا:

جناب قاری صاحب موصوف ہی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز یہ خاکسار حاضر خدمت تھا حضرت صاحب نے بر سبیل تذکرہ فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم لودیانہ میں تھے۔ بہرام خاں کو ان ایام میں اللہ اللہ کرنے کا اور ہمارے ساتھ رہنے کا بہت زیادہ شوق تھا۔ اتفاقاً میرا گزر بھراہی بہرام خاں وغیرہ جو کوتوالی لودیانہ کے سامنے کو ہوا۔ تو یکا یک میری زبان سے نکلا۔ کہ بہرام خاں! تجھ کو کوتوال کر دیں؟ بہرام خاں نے کہا۔ حضور! یہ خدا کے واسطے مجھ کو کوتوال نہ بنائیں۔ اور اپنی ہی خدمت میں رہنے دیں۔ آپ نے فرمایا۔ بس اب تو کوتوال ہو چکا۔ ہم کیا کریں۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ مولانا روم نے کیا خوب کہا ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود　　گر چہ از حلقوم عبداللہ بود

اللہ اللہ:

جناب مولوی محبوب عالم صاحب ذکر کرتے ہیں کہ ایک فقیر پاؤں میں لکڑی کے

پورے پہنے ہوئے آیا۔ حضرت صاحب نے حسب عادت فرمایا کہ کہو کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا۔ حضور! مجھے سونا بنانا سکھادو۔ آپ جوش میں گردن پکڑ کر اس کو حجرے کے اندر لے گئے۔ اور بڑی دیر کے بعد حتی کہ ظہر کا وقت بھی آخر ہو گیا باہر تشریف لائے۔ میں اس فقیر کو مسجد میں لے گیا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور اس پر سکرت طاری تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ بتا کیا کیفیت گزری۔ وہ کہنے لگا کہ مجھے حجرے کے اندر لے گئے۔ اور مصلا کے نیچے میرا سر دے دیا۔ میں دیکھتا ہوں کہ سونے چاندی اور جواہرات کی نہریں جاری ہیں۔ حضرت شاہ صاحب نے پوچھا کہ کیا دیکھا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ حال ہے۔ فرمایا آگے چل کر دیکھ کہ یہ نہریں کہاں سے آتی ہیں۔ اور مجھے ایک دھکا اور دے دیا۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جگہ ایک نوری تختہ پر لفظ اللہ لکھا ہوا ہے۔ اور اس کے ایک ایک حرف سے ایک ایک نہر جاری ہے۔ فرمایا۔ دیکھ لے۔ اس سے کیمیا آتی ہے۔ بعد ازاں میرے قلب میں اللہ لکھ کر مجھے توجہ دی۔ اب میرے بدن کے جوڑ جوڑ سے اللہ اللہ جاری ہے۔ وہ اسی حالت میں جنگل کو چلا گیا۔ کیمیا کی خواہش اس کے دل سے بالکل جاتی رہی اور خدا کا نام اس کو چمٹ گیا۔

لوٹا چل پڑا:

صاحب ذکر خیر کا بیان ہے۔ کہ ایک روز دن کے ایک بجے آپ وضو فرمانے لگے۔ معمول تھا کہ آپ کے واسطے دو لوٹے ہوا کرتے تھے۔ ایک میں بھائی مغلی شاہ پانی لینے گئے ہوئے تھے۔ اور دوسرا لوٹا آپ سے کوئی ڈیڑھ گز کے فاصلے پر رکھا تھا۔ آپ نے پانی لینے کا اشارہ فرمایا۔ اس وقت حجرے میں میرے سوا کوئی اور نہ تھا۔ اور آپ کو میرا موجود ہونا معلوم نہ تھا۔ میں پانی دینے کے واسطے اٹھنے ہی لگا تھا کہ آپ نے ہاتھ سے لوٹے کی طرف اشارہ فرمایا جیسے کسی کو بلایا کرتے ہیں۔ لوٹا فوراً آپ کے پاس آگیا۔ ادھر میں باہر نکل آیا۔ تو انگلی کے اشارے سے فرمایا۔ ہوں ہوں۔ یعنی کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔

اندھا بینا ہو گیا:

نقل ہے کہ ایک روز ایک ہندو عورت اپنے چھوٹے لڑکے کو لئے ہوئے حاضر خدمت ہوئی۔ وہ لڑکا اندھا تھا۔ عرض کیا۔ حضور! یہ لڑکا نابینا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اس کی آنکھیں اچھی

ہو جائیں۔ فرمایا اوہو۔ ہم کو تو طب بھی نہیں آتی۔ نہ ہم حکیم ہیں۔ تو اس کا علاج کسی حکیم سے کرا۔ اس نے عرض کیا۔ کہ حضور! میں بہت علاج کرا چکی ہوں۔ کچھ آرام نہیں ہوتا۔ آپ دعا ہی کریں۔ فرمایا۔ اچھا۔ جا دعا کر دی ہے۔ اللہ آرام کرے۔ وہ لڑکے کو لے کر باہر چلی گئی۔ جب حضرت شاہ عبدالرسول کے باغ کی دیوار کے شرقی کونے کے پاس پہنچی۔ تو لڑکے کو ٹھوکر لگی۔ وہ گر پڑا۔ اور اس کی پیشانی میں کسی رگ پر نوکدار ٹھیکری ایسی چبھی کہ بہت سا خون نکلا اور لڑکے کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ بچے کو لئے ہوئے پھر حاضر ہوئی۔ اور تمام ماجرا عرض کر کے کہا۔ کہ حضور! آپ کی دعا سے اس کی آنکھوں میں روشنی ہوگئی۔ آپ نے فرمایا۔ آہ دوا بھی اللہ نے آپ ہی کر دی۔ تجھے دوا کرنے کی بھی تکلیف نہ ہوئی۔

گائے نے دودھ دینا شروع کر دیا:

نقل صحیح ہے کہ ایک روز گیارہ بجے دن کے کچھ سوداگر کابلی ایک گائے لئے ہوئے آپ کے یہاں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ حضور! ہم نے یہ گائے بہت قیمت میں لی تھی۔ اب یہ دودھ نہیں دیتی۔ بلکہ اس کے بچے کا بھی گزارہ نہیں ہوتا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم اس کے گھاس وغیرہ میں تو کمی نہیں کرتے۔ انہوں نے عرض کیا۔ حضور! دیکھ لیں یہ کیسی موٹی تازی ہے ہم اسے گھاس وغیرہ خوب دیتے ہیں۔ آپ نے اس کے سینگوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ ابندی رب کی! انہوں نے تیرا حق ادا کر دیا۔ تیرے بچے کا حق ادا کر دیا۔ اگر تو ان کا حق ادا نہیں کرے گی۔ تو قیامت کے دن تیری ہی پکڑ ہونی ہے۔ بجرد آپ کے اس ارشاد کے اس کے چاروں تھنوں سے دودھ بہنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ او خدا کے بندو! تم اس کی شکایت یونہی کرتے ہو۔ یہ تو اچھا خاصا دودھ دیتی ہے۔ وہ گائے کو لے گئے۔ رات کو دس بجے گائے کو ساتھ لے کر پھر آئے۔ اور عرض کیا کہ حضور! اس کا دودھ بند ہی نہیں ہوتا۔ آپ گائے کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ ہم نے تو تجھے یہ کہا تھا کہ ان کا حق دے دیا کرو۔ جا اس طرح نہ کیا کر بچے کا حق رہنے دیا کر۔ اور اپنے معمول کے وقت پر دودھ دیا کر۔ آپ کے اس ارشاد کے ساتھ ہی گائے کا دودھ بند ہو گیا۔ اور سوداگر گائے کو واپس لے گئے۔

درخت کا چل کر آنا:

صاحب ذکر خیر لکھتے ہیں کہ ایک روز میں حدیث شریف پڑھا رہا تھا۔شاید ترمذی یا کسی اور کتاب حدیث شریف میں ذکر تھا کہ بہشت میں ایک ایک محل پانسو برس کی راہ کی مسافت کی برابر اونچا ہوگا۔اور ایک ایک درخت بھی اتنا اونچا ہوگا کہ جس کی مسافت پانسو برس کے براستہ کے برابر ہوگی۔ایک درویش نے یہ [1] حدیث جو سنی۔تو مسکرا کر عرض کیا کہ حضور! بہشتیوں کو تو بڑی مصیبت ہوگی۔فرمایا وہ کیسی؟ عرض کیا کہ حضور پانسو برس تو چڑھنے میں لگ جائیں گے۔پھر میوے کس طرح کھائیں گے۔فرمایا جب بہشت والے ارادہ کریں گے۔وہ درخت خود بخود ان کے سامنے آ کر جھک جایا کریں گے وہاں توت کا ایک پھل دار درخت حضور کے دروازے سے شمال کی طرف تھا۔حضور نے اس توت کے درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔مثلاً جس طرح یہ درخت کھڑا ہے۔اگر اسے کہیں۔آ جا۔تو فوراً سامنے آ کر جھک جائے میں درخت کی طرف بیٹھا ہوا تھا۔بمجرد آپ کے اس فرمان کے وہ درخت میرے اوپر کو ہوتا ہوا حضور کے سامنے زمین سے آ لگا۔آپ نے فرمایا۔او ہم نے تجھے تو نہیں کہا تھا۔بلکہ ہم نے صرف بہشت کا ایک مسئلہ بیان کیا تھا۔تو سمجھا کہ مجھ کو ہی کہا ہے۔جا تو اپنی جگہ جا کھڑا ہو چنانچہ فوراً وہ اپنی جگہ جا کھڑا ہوا۔اس وقت سائل نے پوچھا۔کہ حضور! کس کلام کے پڑھنے یہ چیزیں تابع ہو جاتی ہیں۔آپ نے فرمایا۔یہ وہ تجلی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد ہوئی تھی۔اور جس کی وجہ سے تمام حجر شجر آپ کے سامنے جھک پڑے تھے۔یہ حقیقت محمدیہ کے فیضان کا اثر ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) جو شخص کثرت سے درود شریف پڑھے۔خوشنودی اور پرورش روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح ہو جاتی ہے۔اور حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے یہ باتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔اور اس کے واسطے بہشت کی نشانیاں یہیں شروع ہو جاتی ہیں۔

پھانسی سے بچالیا:

نقل معتبر ہے کہ ایک لڑکا کانپور کی طرف کا آیا۔وہ اور اس کا باپ دونوں حضرت شاہ

---

[1] جناب مولوی محبوب عالم صاحب جو اس قصہ کے راوی ہیں اس حدیث کی صحت نقل کے ذمہ دار ہیں۔ حضرت شاہ صاحب قبلہ نے جو فرمایا اس کی صحت میں کلام نہیں۔

صاحب علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔ اور اس کا باپ ڈپٹی تھا۔ اس لڑکے نے عرض کیا کہ حضور جو مدد قیامت کے دن فرمانے والے ہیں وہ ابھی کر دیں۔ حضرت صاحب علیہ الرحمۃ نے اس کو جھڑکا اور تنبیہ کی۔ اس نے کہا کہ حضرت! میرے والد کو پھانسی کا حکم ہوا ہے۔ اب میرا کیا رہ گیا ہے۔ دس روز میعاد میں ہیں۔ میں یہاں سے نہیں ٹلوں گا جب تک اس امر کا فیصلہ نہ کر لوں۔ غرض دروازہ پر پڑا رہا۔ آپ نے شام کو اس لڑکے سے فرمایا کہ پچھلی رات جب ہم باہر نکلیں۔ تو ہمارے پیچھے چلے آنا۔ چنانچہ اسی رات کو حضور تالاب غربی شہر انبالہ پر تشریف لے گئے۔ درویشوں کے ساتھ وہ لڑکا بھی پیچھے چلا گیا۔ حضور نے تالاب میں غوطہ لگا کر حبس دم کیا۔ درویشوں کو فکر ہوا کہ خدانخواستہ کہیں ڈوب نہ گئے ہوں۔ کیونکہ اس میں پانی بے انتہا تھا اور حضور کو دیر ہو گئی تھی۔ اچانک دیکھا کہ حضور کنارہ پر کھڑے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جا چھوٹ گیا۔ لڑکے کو ایسی تسلی ہوئی کہ وہیں سے رخصت ہو کر سیدھا ریل پر چلا گیا۔ چند روز کے بعد وہ لڑکا اور اس کا باپ دونوں مع نذرانہ اشرفیوں سے شیرینی کے آئے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ لڑکا تو کہتا تھا کہ پھانسی کا حکم ہو گیا ہے اور تم ہمارے پاس سالم آئے ہو۔ وہ شخص عرض کرنے لگا کہ حضور واقعی بات ہے۔ جس روز لڑکا یہاں سے گیا ہے۔ اسی روز رات کو سیشن جج کو خیال آیا کہ کہیں روئداد میں غلطی نہ ہوئی ہو۔ مسل پر مکرر غور کر کے فیصلہ لکھوں۔ مسل جو دیکھی۔ تو میری نسبت ذرہ بھر بھی ثبوت جرم نہ ملا۔ بلکہ جس جگہ یہ لکھا تھا کہ اس پر جرم ثابت ہے۔ وہاں بجائے اس کے یہ لکھا ہوا ملا کہ یہ اس جرم سے بری ہے۔ چونکہ وہ حکم دے چکا تھا۔ مجھے بلا کر کہا کہ اگر تم معافی نامہ لکھ دو۔ تو تم کو بری کر دوں کہ میں نے ناحق تم کو قید کیا۔ میں نے معافی نامہ لکھ دیا۔ اس نے مجھے رہا کر دیا۔

جذب و مستی کا عالم:

ایک دفعہ حضور ڈیرہ بسی سے پرے رائے پور کے قریب کسی گاؤں میں جذبہ و مستی کے عالم میں تھے۔ یہ حضور کا عام حکم تھا کہ کھانے پینے کی کوئی شے ہمارے پاس کھلی نہ لایا کرو۔ ایک شخص کھلا پانی لے کر چلا آیا۔ حضور کی زبان مبارک سے نکلا کہ تو اندھا ہے۔ جانتا نہیں کہ پانی کھلا نہیں لایا کرتے۔ وہ اسی وقت اندھا ہو گیا۔ اس کے بعد حضور کو ہمیشہ اس کا خیال رہا۔ اگر کسی سے خلاف طبع حضور کوئی کام ہو جاتا۔ تو فرماتے کہ بے خبر ہیں۔ بات نہیں سمجھتے۔ اور کوئی کلمہ زبان

سے نہ نکالتے۔

کنویں میں گرنے پر چوٹ نہ لگی:

حاجی کریم بخش جو آپ کے درویشوں میں تھے ایک بار آپ کو وضو کرا رہے تھے۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کسی بات پر ان سے گھبرا گئے۔ غصہ میں فرمایا۔ او کریم بخش! جا کنویں میں گر پڑ۔ تھوڑی دیر کے بعد حاجی صاحب مشک لے کر بارو کے کنوئیں پر پانی لینے گئے۔ ڈول جو لٹکایا۔ تو سچ مچ کنوئیں میں گر پڑے۔ مگر چوٹ بالکل نہ لگی۔ اُدھر شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ او ہو کریم بخش تو کنوئیں میں گر گیا مگر خیر۔ لوگوں نے جلدی حاجی صاحب کو باہر نکالا۔ وہ مشک بھر کر بڑی دیر کے بعد حاضر خدمت ہوئے۔ فرمایا۔ او کریم بخش! اتنی دیر کہاں لگائی۔ عرض کیا حضور! میں کنوئیں میں گر پڑا تھا۔ فرمایا چوٹ تو نہیں آئی؟ اس نے کہا۔ آپ نے ہاتھ پر تھام لیا تھا۔ پھر چوٹ کیسے لگتی۔

حقیقت کا فیضان:

جناب مولوی محبوب عالم صاحب مرحوم ذکر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت صاحب حافظ مسلم والی مسجد میں جمعہ پڑھنے تشریف لائے۔ بعد نماز آپ پر حالت استغراق طاری ہوئی۔ اس حالت میں اکثر آپ کے پاؤں زمین پر ٹھہرا نہ کرتے تھے۔ درویش دونوں طرف سے آپ کو مونڈھے پکڑ کر چلایا کرتے تھے۔ اور کوئی عجیب مستی کی حالت ہوتی تھی۔ میں نے حسب معمول آپ کا مونڈھا پکڑ لیا۔ جب وہاں سے آپ سڑک پر پہنچے اور پلی سے نیچے اترنے لگے تو سامنے سے پچاس ساٹھ آدمیوں کا گروہ آ رہا تھا۔ وہ سب کے سب آپ کی صورت دیکھ کر آپ کے پاؤں میں سجدے میں جا پڑے۔ میں نے ان کو سخت سست کہا۔ اور بڑے غصہ سے کہا کہ تم مشرک ہو گئے۔ پھر بعد میں میری نظر بھی آپ کی صورت پر جا پڑی۔ فوراً میں بھی بے اختیار سجدے میں گر گیا۔ تقریباً پانچ ہی منٹ کے بعد آپ کو ہوش آ گیا۔ اور ہوش آتے ہی سب کے سب سجدے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ حضور! آج تو ہم سب سے بڑا گناہ ہوا ہے۔ فرمایا۔ کیا۔ میں نے عرض کیا۔ کہ ہم سب نے آپ کو سجدہ کیا حالانکہ یہ شرک ہے۔ اور آپ سجدہ سے سخت ناراض ہوا کرتے تھے۔ فرمایا تمہیں مجبوری تھی۔ اس کی وجہ اور ہی تھی۔ وہ جو

حقیقت کعبہ کی جاہ وجلال والی تجلی کعبہ شریف پر وارد ہوتی ہے۔ آج ہم اس حقیقت کا فیضان لے رہے تھے۔ وہ فیضان عشق پکتے پکتے حقیقت کعبہ ساری ہی ہم پر وارد ہو گئی تھی وہی تجلی یہاں تھی۔ یہ اس تجلی کی کشش اور جبر کا اثر تھا کہ زبردستی لوگوں کو اپنی طرف کھینچ کر سجدہ کرا لیا۔ اس وقت جو کوئی سامنے آتا۔ بے اختیار سجدہ کرتا۔ اب اس حقیقت کے بجائے دوسری حقیقت کا فیضان بدل گیا۔ اس واسطے یہ سب لوگ سجدہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

حقیقت عیسوی کا فیضان:

ایک روز آپ حقیقت عیسوی کا فیضان لے رہے تھے۔ اس حالت میں ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور حضور سے کچھ پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ درود شریف پڑھا کر۔ اس نے درود شریف جو پڑھا تو اس پر استغراق کی حالت طاری ہو گئی۔ تین دن تک اس کا یہ حال رہا کہ جس پر وہ دم کرتا فوراً آرام ہو جاتا۔ بعد ازاں وہ حالت جاتی رہی مولوی محبوب عالم صاحب نے دریافت کیا۔ کہ حضور! یہ کیا بات تھی۔ آپ نے فرمایا۔ جس وقت وہ ہمارے پاس آیا تھا۔ اس وقت ہم حقیقت عیسوی کا فیضان لے رہے تھے۔ اس پر بھی وہی فیضان وارد ہو گیا تھا۔ اب وہ فیضان ہٹ گیا۔ تو وہ حالت بھی جاتی رہی۔

گواہی:

حضور علیہ الرحمۃ کے پڑوس میں ایک شخص نے پرنالہ کا مقدمہ دائر کیا کہ میرا پرنالہ اس جگہ تھا۔ دوسرا فریق وہاں سے مانع تھا۔ عدالت میں مقدمہ گیا۔ تو ایک فریق نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ کہ آپ نے میرے پرنالہ کو دیکھا ہوا ہے۔ آپ میرے حق میں شہادت دیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگلی بات تو ہمیں یاد نہیں۔ جس جگہ پرنالہ تھا وہاں لگا دو۔ ہم دیکھ لیں گے اور دیکھ کر پھر گواہی دے دیں گے کہ یہاں لگا ہوا دیکھا ہے۔ خیر اس نے عدالت میں حضور کی گواہی لکھوا دی۔ ڈپٹی صاحب نے کہا کہ شاہ صاحب کی گواہی ہم وہیں جا کر لیں گے۔ جس وقت ڈپٹی صاحب گواہی لینے کے واسطے موقع پر آئے۔ حضور علیہ الرحمۃ شاہ عبدالرسول صاحب کی مسجد میں مراقب تھے۔ وہ ڈپٹی وہیں پہنچا۔ ایک درویش نے دروازے کے پاس دور ہی سے ڈپٹی کو دیکھ کر عرض کیا کہ حضور! وہ ڈپٹی گواہی کے واسطے آیا۔ حضور نے دروازے کی طرف دیکھ کر

فرمایا۔ کہاں ہے۔ جونہی حضور کی نظر اس پر پڑی۔ وہ فوراً الٹا گر گیا۔ اور چلایا اور وہیں سے واپس بھاگا۔ آپ نے فرمایا۔ جاتا کیوں ہے گواہی تو لیتا جا۔ اس نے کہا کہ توبہ ہے میری۔ مجھ سے خطا ہوئی معاف فرمائیں۔ آپ نے معاف فرمادیا اور وہ چلا گیا۔

سائیں کی بھینس:

میاں جی عمر الدین ساکن موضع بوتھ گڈھ تحصیل وضلع لودھیانہ نے بتاریخ 3 ذی الحجہ الحرام 1336ھ راقم الحروف سے ذکر کیا۔ کہ ایک دفعہ ایک گوالا نمازی ہمارے گاؤں کی مسجد میں دس پندرہ روز رہا۔ وہ بیان کرتا تھا۔ کہ ہم اپنی بھینس چرانے کے لیے شہر انبالہ میں جا رہے۔ پہلے دن خیال آیا کہ کچھ دودھ دُوھ کر کسی درویش کو دے آئیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ شہر میں حضرت سائیں صاحب مشہور درویش ہیں۔ ہم دودھ لے کر حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ مستی کی حالت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم نے پوچھا۔ کیا آپ توکل شاہ ہیں؟ فرمایا کونسے توکل شاہ؟ آگے جاؤ۔ ہم نے نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ توکل شاہ تو آپ ہی ہیں۔ ہم یہ دودھ آپ کے لئے لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا دودھ نعمت الٰہی ہے۔ اسے رد نہیں کرنا چاہیے۔ مگر کیا تم ہر روز لایا کرو گے؟ ہم نے عرض کیا۔ کہ ہمارے پاس پچاس ساٹھ بھینسیں ہیں۔ آپ ان میں سے ایک پر اپنا دست مبارک رکھا آئیں۔ ہم اُسی کا دودھ آپ کی خدمت میں پہنچا دیا کریں گے۔ چنانچہ آپ ہمارے ساتھ بھینسوں میں آئے۔ وہ چر رہی تھیں۔ آپ ان میں پھرتے رہے۔ پھر ایک نہایت کمزور لاغر بھینس پر اپنا دست مبارک رکھا اسے تھاپی دی۔ اور ہم سے کہا کہ اس کا دودھ ہم کو دیا کرو۔ ہم نے عرض کیا کہ یہ تو دوسرے تیسرے روز تھوڑا سا دودھ دیتی ہے۔ اس کا بچہ بھی مر گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسی کا دودھ لایا کرو۔ دوسرے روز اس بھینس نے برتن بھر دیا۔ ہم وہاں دو تین ماہ رہے۔ وہ بھینس بدستور دودھ دیتی رہی۔ ہم اسے سائیں کی بھینس کہا کرتے تھے۔

مست بچہ:

محمد شفیع لودھیانوی نے راقم الحروف سے بیان کیا۔ کہ میری خالہ زاد ہمشیرہ کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ اس کے شوہر خاں صاحب مظفر خاں انسپکٹر پولیس نے اپنے مرشد حضرت توکل شاہ

صاحب سے عرض کیا۔ حضور دعا فرمائیں کہ میرے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو۔ آپ نے دعا فرمائی۔ کچھ عرصہ کے بعد لڑکا پیدا ہوا جس کو اس کی والدہ چھٹی کے بعد انبالہ شریف میں خدمت اقدس میں لے گئی۔ بچہ اپنی ماں کی گود ہی میں تھا کہ۔ آپ نے فرمایا۔ مست کو کہاں لائی ہو؟ ماں نے بچہ کو حضور کے سامنے کر دیا۔ آپ نے اپنا لعاب دہن مبارک بچہ کے منہ میں ڈال کر فرمایا۔ کہ یہ تو مست ہے۔ چنانچہ وہ مست ہی رہا۔ یہاں تک کہ پچیس سال کی عمر میں مستی ہی کے عالم میں انتقال کر گیا۔ اس کا نام غضنفر خاں تھا۔

دشمن کا تبادلہ:

سید رفیق احمد صاحب حال سینئر سب جج لودھیانہ نے مجھ سے ذکر کیا کہ میرے والد ماجد فرماتے تھے۔ کہ منشی حکیم الدین صاحب ای۔ اے۔ سی انبالہ شہر اور مجھ میں باہم چشمک رہا کرتی۔ منشی مذکور میرے آزار کے درپے رہتا۔ میں نے تنگ آ کر حضرت شاہ صاحب سے عرض کیا کہ وہ اب مجھے ضرور نقصان پہنچائے گا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ وہ یہاں نہ رہے گا۔ چنانچہ تیسرے دن اسے بذریعہ تار تبادلہ کا حکم آ گیا۔ میں جو حاضر خدمت ہوا۔ تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ سنا گیا ہے کہ وہ تبدیل ہو گیا۔ میں نے عرض کیا۔ کہ تبدیل تو ہو گیا۔ مگر یہ کہہ گیا ہے۔ کہ میں پھر آ جاؤں گا۔ آپ نے جوش میں آ کر فرمایا کہ وہ یہاں ہرگز نہیں آ سکے گا۔ چنانچہ باوجود کوشش کے وہ پھر انبالہ میں نہ آ سکا۔

حضور شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کرامات تو اور بھی سینکڑوں ہیں۔ جن کے ایراد کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ نظر بر اختصار ہم نے پینتیس ہی پر اکتفاء کیا ہے۔ ان میں سے پہلی نو جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب انبٹھوی کے قلمی نسخہ سے منقول ہیں۔ نمبر دس سے سولہ تک تذکرہ تو کلیہ سے۔ سترہ سے اکیس تک کمالات توکلی سے اور بائیس سے بتیس تک ذکر خیر سے ماخوذ ہیں۔ باقی تین راقم الحروف کا اضافہ ہیں۔

آٹھواں باب

وفات شریف وحلیہ مبارک

بیماری کا زور:

آخر عمر میں حضور علیہ الرحمۃ کو طرح طرح کی بیماریاں لاحق تھیں۔ بواسیر نے وہ زور پکڑا کہ سیروں خون جاتا۔ پیشاب زیادہ آتا۔ کبھی کبھی بخار بھی ہو جایا کرتا۔ حسب بیان مولوی سراج الدین صاحب جب حضور کی عمر اٹھاون سال کی ہوئی۔ تو قرب وصال کی باتیں کرنے لگے۔ چنانچہ 1313ھ میں فرمایا کہ اب ساڈا (ہمارا) وقت نیڑے (نزدیک) آ گیا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ ہماری روح سبز کاہی عمامہ باندھے بدن سے جدا تیار بیٹھی ہے۔ پھر 1314ھ میں فرمایا کہ ہم نے اپنی مسجد کے امام میاں جی رحیم خان صاحب کو معاملہ میں دیکھا۔ کہ ہم سے جپھی پاکر (لپٹ کر) ملے اور کہا کہ شاہ جی! تمہارا انتظار اوپر ہو رہا ہے۔ اور اس عالم کے لوگ تمہارے منتظر و شائق ہیں۔ شعبان 1314ھ سے ماہ صفر 1315ھ تک مرض کی شدت رہی۔ اس اثناء میں فرمایا کہ اب اس عالم ناسوت میں ہمارا رہنا ہوگا۔ ہم نے رات کو ایک بلائے عظیم دیکھی۔ جس سے مراد موت تھی۔ بعد ازاں وصال سے دو تین ماہ قبل آپ نے دیکھا کہ بزرگوں کی روحیں آسمان سے اُتر کر آپ سے مصافحہ کر رہی ہیں۔

دُعا کی برکت:

آخر بیماری میں بھی حضرت بڑے حجرے میں تشریف رکھتے تھے۔ وصال سے ایک ماہ پہلے دیگر امراض کے علاوہ آپ کو اسہال کبدی بھی شروع ہو گئے۔ حالت صحت میں آپ اکثر دعا فرمایا کرتے تھے کہ خدایا مجھے شہادت کی موت عطا فرما۔ یہ اس دعا کی برکت تھی کہ اسہال جاری ہو گئے۔ کیونکہ شریعت میں موت اسہال شہادت کے حکم میں ہے۔ اسہال کی وجہ سے حضور کو دن رات میں پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ مرتبہ بیت الخلا میں جانا پڑتا تھا۔ مگر اس تکلیف میں بھی آپ کی یہ حالت تھی کہ نماز پنجگانہ جماعت سے ادا فرماتے۔ اور تمام اذکار و اشغال و مراقبات بدستور

پورا کرتے۔

توکل کی کیفیت:

حسب بیان جناب قاری اکرام حسین صاحب کرنالی اسی عرصہ میں حضرت مولانا شاہ عبدالخالق صاحب جہانخیلی بھی تشریف لے آئے۔انہوں نے حضور کا یہ حال دیکھ کر عرض کیا۔کہ اب آپ اپنی موجودگی میں کسی کو اپنا قائم مقام یعنی سجادہ نشین کر دیجئے۔اس کے جواب میں آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ بلکہ فرمایا تو یہ کہ میرا نام توکل شاہ ہے۔ میرے توکلی بوٹے ہیں۔خدا پرورش کرنے والا ہے۔کوئی ضرورت سجادہ کی نہیں۔ جب صاحبزادہ صاحب ممدوح نے زیادہ مصر ہو کر بایں الفاظ حضرت سے عرض کی۔کہ کیا آپ میرے والد ماجد خواجہ قادر بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیضان بند کرنا چاہتے ہیں۔تو آپ نے جوش میں آ کر فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب! مجھ کو آپ کا فرمانا مانند حضرت صاحب کے تھا۔ مگر کیا کروں۔ نہ تو بڑے حضرت نے اپنی موجودگی میں کسی کو سجادہ نشین بنایا۔اور نہ حضرت خواجہ شمس العرفاں نے کسی کو سجادہ نشین مقرر کیا۔اب میں اپنے پیروں کے خلاف کس طرح کسی ایک کو سجادہ نشین بنادوں۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔دوسرے یہ کہ میں نے تمام عمر اپنے توکل کو نبھایا ہے۔یہ کام توکل اور استقامت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ میں ہرگز ایسا نہ کروں گا۔ مجھے معاف فرمائیں۔اگر بالفرض والتقدیر میں اپنے دوستوں سے کسی ایک کو سجادہ نشین بنا بھی دوں۔تو کیا میرے بہت سے لائق دوست نہیں ہیں۔وہ اپنے دلوں میں مایوس ہوں گے۔اس لیے میں اس کام کو توکل پر چھوڑتا ہوں۔جس کو مولی چاہے گا۔سجادہ نشین ہو جائے گا۔اور سجادگی میں رکھا ہی کیا ہے۔زیادہ سے زیادہ آپ کو اجراے سلسلہ کا فکر ہے۔اس کے واسطے میرے متعدد خلیفے موجود ہیں جن کو میں اپنی موجودگی میں تلقین و بیعت کی اجازت دے چکا ہوں۔وہ میرے بعد بیعت کریں۔علاوہ ان کے اور بہت لائق لائق نام لینے والے میرے درویش موجود ہیں۔میرے بعد ان سے بہت سلاسل جاری ہوں گے۔اور آپ دیکھیں گے۔

جاروب کشی کی خدمت:

صاحب تذکرہ توکلیہ لکھتے ہیں کہ مرض موت میں صاحبزادہ عبدالخالق صاحب نے حضرت صاحب سے عرض کیا کہ آپ کسی شخص کے واسطے اجازت دیں۔ جو مزار پر بیٹھ کر مزار

شریف کی خدمت کرے۔ حضرت صاحب نے کچھ جواب نہیں دیا۔ صاحبزادہ صاحب آخر بڑے مرتبہ کے آدمی تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آخر جاروب کشی کے لیے ضرور کوئی شخص ہونا چاہیے۔ تب حضرت صاحب نے فرمایا کہ مغلی شاہ ہماری قبر پر جاروب کشی کیا کرے گا۔ اور کسی شخص کے لیے کسی طرح کا جناب نے حیات میں اشارہ نہیں کیا۔

بے ہوشی کی کیفیت:

حضور علیہ الرحمۃ کا علاج معالجہ ہوتا رہا۔ آپ دوا پیتے وقت اکثر فرماتے تھے۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سمجھ کر دوا کھاتے پیتے ہیں۔ ورنہ ہم جانتے ہیں کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم کے دوا کچھ نہیں کر سکتی۔ ایک روز وصال سے دو ہفتہ پہلے بعد نماز ظہر آپ پر غشی سی طاری ہوگئی۔ مگر جلدی ہوش میں آگئے۔ اور اندرون زنانہ دالان میں تشریف لے گئے۔ اور مکان کے اندر چارپائی پر جس کا سرہانہ جانب شمال اور پائینتی جانب جنوب تھی جا لیٹے۔ اور لیٹتے ہی بیہوش ہوگئے۔ صاحبزادہ عبدالخالق۔ سائیں مغلی شاہ۔ خلیفہ مظفر علی خاں۔ مولوی محبوب عالم۔ مولوی عبدالرحیم مسکین۔ حاجی کریم بخش۔ میر یوسف علی شاہ۔ حاجی غلام محمد وغیرہ حاضر خدمت تھے۔ سب کے سب رونے اور کف افسوس ملنے لگے۔ تھوڑی دیر میں حضور کو ہوش آیا۔ تو فرمانے لگے۔ روتے کیوں ہو۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ ہماری صحت کے واسطے دعا کرو۔ اس ارشاد سے سب کو گونہ تسلی سی ہوگئی۔ ماہ صفر 1315ھ کے آخری چار شنبہ سے پہلے آپ کو قدرے افاقہ ہوگیا۔ با اعتقاد مریدوں نے شکرانہ کا کھانا محتاجوں کو کھلایا۔ آخری چار شنبہ کو دو بجے کے بعد مرض نے پھر عود کیا۔ آپ کی صحت کے واسطے بکرے ذبح کر کے ان کا گوشت راہ خدا میں تقسیم کیا گیا۔ اطراف واکناف سے زائرین آپ کی عیادت وزیارت کے لیے ہجوم کر آئے۔ حکیم لطیف حسین خاں دہلوی۔ حکیم معز الدین خاں دہلوی اور دیگر بہت سے اطباء جمع ہوگئے۔ انہوں نے ہرچند تدبیریں کیں مگر افاقہ نہ ہوا۔ آخر آپ بیٹھ کر نماز باجماعت پڑھنے لگے اور اپنے معمولات فکر کے ساتھ بجالانے لگے۔ اس حالت میں بھی جو شخص آپ کی زیارت کے لیے آتا۔ اس سے بڑے اطمینان کے ساتھ ملاقات کرتے۔ راقم الحروف ان ایام میں بورڈ کالج امرت سر میں ملازم تھا۔ عرس حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے فارغ ہوتے ہی درِ دولت پر حاضر ہوا۔ اور اجازت

حاصل کر کے اندر حاضر خدمت ہوا۔ دیکھا کہ آپ غربی دالان میں بے بستر چار پائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ سرہانہ جانب شمال اور پیتی جانب جنوب تھی۔ اسہال جاری تھے۔ زبان مبارک پر اور حلق میں آبلے تھے۔ بول نہ سکتے تھے۔ میں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے اشارہ سے جواب دیا اور حال پوچھا۔ میں نے کچھ نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے لنگر کی طرف اشارہ فرمایا۔ اس حالت میں آپ کی استقامت کا یہ حال تھا کہ اپنے معمولات انگلیوں کے پوروں سے بجالا رہے تھے۔

انتقال کی خبر ہونا:

جناب مولوی سراج الدین صاحب بروایت سائیں مغلی شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب غلبہ مرض میں یاس ہوگئی۔ تو چھوٹی مائی صاحبہ یعنی حضور کی چھوٹی بیگم صاحبہ گریہ وزاری کرنے لگی۔ آپ نے فرمایا کہ بیگم! غم نہ کر۔ رومت تجھے انشاء اللہ تعالیٰ جلدی بلالیں گے۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ حضور کو اپنے وصال اور بیگم صاحبہ کے انتقال کا حال منکشف ہوگیا تھا۔ چنانچہ آپ کے وصال کے پانچ مہینے دس دن بعد عین شب برات کی رات کو چھوٹی مائی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا نے انتقال فرمایا۔

نور ہی نور:

وصال سے تین چار روز پہلے حسب بیان جناب مولوی محبوب عالم صاحب حضرت صاحب نے ایک دن فرمایا کہ آج ہم نے دیکھا کہ ایک بیحد نور ہے۔ جس کی نہ کہیں ابتداء ہے نہ انتہا۔ ہم وہاں گئے۔ وہاں ایک دیوار ہے۔ دیوار سے پرلی طرف ہمیں بلایا گیا۔ مگر ہم نے جواب دیا کہ ابھی ہم نہیں آتے۔ ان ایام میں زائرین دور دور سے زیارت کو آتے تھے۔ ان کو دستہ دستہ کر کے صرف زیارت کرائی جاتی تھی۔ بات چیت کا موقع نہ ملتا تھا۔ پھر آپ نے بار بار اس طرح فرمانا شروع کیا کہ اب ہماری روح اس بیحد نور کی طرف چڑھتی چلی جاتی ہے۔ دنیا میں رہنے کو جی نہیں چاہتا۔ یہاں بڑے بڑے جھگڑے فساد ہیں۔ اب یہاں سے دل اُٹھ گیا۔

وصال مُبارک:

3 ربیع الاول کو بائیں ہاتھ پر تشنج پڑا۔ آپ نے میر یوسف علی شاہ سے فرمایا کہ دم

کرتے رہو۔ چنانچہ وہ دم کرتے رہے۔ آخر یوم وصال آ پہنچا 4 ربیع الاول 1315ھ یوم چہار شنبہ کو آپ نے فجر کی نماز اول وقت چارپائی پر لیٹے ہوئے اشارے سے باجماعت ادا کی۔ حافظ مولا بخش صاحب امام تھے۔ بائیں جانب سائیں مغلی شاہ اور دائیں جانب میر یوسف علی شاہ مقتدی تھے۔ اللہ اللہ جماعت کا شوق ایسا تھا۔ یہ حضور علیہ الرحمۃ کی آخری نماز ہے۔ اب آپ کے لیے کسی نماز فرض کا وقت نہ آئے گا۔ اس کے بعد حضرت صاحب کی چارپائی دالان کے صحن میں لائی گئی۔ آپ کبھی اٹھتے اور کبھی لیٹ جاتے تھے۔ دو خادم لٹاتے بٹھاتے تھے۔ چونکہ صحن خانہ میں گرمی ہوتی جاتی تھی۔ اس لیے چارپائی دالان میں لے گئے۔ وہاں بھی حضور نے اسی طرح اٹھنا بیٹھنا شروع کیا۔ جب آپ مغلی شاہ کا انگوٹھا دباتے۔ تو وہ اُٹھالیتا تھا۔ جب چھوڑ دیتے۔ تو لٹا دیتا تھا۔ اتنے میں آپ نے اشارہ فرمایا کہ پردہ اُٹھادو۔ چنانچہ وہ چقیں جو دروازہ پر پڑی ہوئی تھیں سب اٹھا دی گئیں۔ اس اثناء میں حضرت صاحب نے دونوں ہاتھ زمین کی طرف جھکائے۔ چنانچہ آپ کو فرش زمین پر اس طرح لٹا دیا گیا کہ آپ کا نصف دھڑ بوریا پر اور نصف بستر پر رہا۔ پھر آپ نے مغلی شاہ سے شہد کا شربت تیار کرایا۔ اور خود گڈوی ہاتھ میں لے کر شربت نوش فرمایا۔ اس حالت میں شہد کا نوش فرمانا عین اتباع سنت تھا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے لیے مرض اسہال میں استعمال شہد ہی ارشاد فرمایا تھا۔ اسی حالت میں صاحبزادہ خانقداد صاحب سرہانے کی طرف پاس آ کر شجرہ سنانے لگے۔ آپ نے اشارہ سے فرمایا۔ ہوں ہوں! یعنی مت پڑھو۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کوئی اور کیفیت طاری تھی۔ پھر آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر تبدیل لباس کرایا۔ اور تیمم کے لیے مٹی طلب کی اور تیمم کیا۔ پھر پوچھا۔ کیا وقت نماز ہے؟ عرض کیا گیا کہ نہیں۔ فرمایا کہ وقت مراقبہ تو ہے۔ عرض کیا گیا کہ ہاں۔ یہ سن کر آپ دوزانو ہو بیٹھے۔ اور دس بجے دن کا وقت تھا کہ سلطان الاذکار شروع کیا۔ دو دفعہ حبس دم کر کے سانس لیا۔ تیسری دفعہ حبس دم کیا تھا کہ روح پاک محبوب حقیقی سے جا واصل ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سائیں مغلی شاہ کا بیان ہے کہ ایک ہاتھ میرا حضرت صاحب کی گردن مبارک کے پیچھے تھا اور ایک سامنے۔ جب مجھے معلوم ہوتا کہ سانس نہیں آتا۔ تو میں نے کہا کہ حضرت صاحب تو تشریف لے گئے۔ حاضرین اہل کشف کا بیان ہے کہ نزع کے وقت آپ پر نسبت حسینیہ وارد تھی۔ غرض جس شغل میں جوانی سے ساری عمر گزاری تھی۔ اسی میں جان حق کو

سونپ دی۔

عقیدت مندوں کی حالت:

انبالہ میں ایک شور قیامت وسانحہ برپا ہوا۔ مخلوق اوپر تلے گرتی تھی۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو آنسوؤں سے تر نہ ہو۔ اور کوئی دل نہ تھا جو تیر غم سے نڈھال نہ ہو۔ ہزارہا ہندو مسلمان موجود تھے۔ ہزاروں پردہ نشین عورتیں ڈولیوں میں بیٹھ بیٹھ کر زیارت کو آئیں۔ باوجود منع کرنے کے آہ وزاری کی آواز گنبد گردوں تک پہنچتی تھی۔ ایک کہرام مچ رہا تھا۔ کیوں نہ ہو۔ وہ شہسوار عرصہ توکل۔ اتباع سنت میں متوغل۔ بظاہر امی مگر عالم علم لدنی قطب زمانہ۔ شہباز بلند آشیانہ۔ شناور دریائے معرفت۔ کوہِ استقامت وآفتاب ہدایت۔ یتیموں کا ملجا۔ بیوگان کا ماوا۔ ہمسایوں کا غمگسار۔ بیماروں کا تیماردار بے تعداد فرزندان معنوی کا باپ۔ اعلیٰ درجہ کا صوفی آج ہمیشہ کے لیے ہماری نظروں سے غائب ہوگیا۔

نماز جنازہ کی کیفیت:

دہلی ولاہور وملتان وکرنال وغیرہ میں آپ کے مریدین واحباب کو تار دیا گیا۔ دور دور سے لوگ حاضر ہوئے۔ آخر بصدِ وقت عصر کے وقت آپ کو غسل دیا گیا۔ قلت وقت کی وجہ سے نماز جنازہ بعد مغرب پر ملتوی کر دی گئی۔ لوگ گروہ ہا گروہ آخری دیدار کے منتظر ومشتاق تھے۔ صاحبزادہ عبدالخالق صاحب نے منہ کھول کر سب کو زیارت کرائی۔ مغرب کے بعد احاطہ میں خلقت کا ہجوم بہت زیادہ ہوگیا۔ اس لیے نماز جنازہ شہر سے باہر میدان میں پڑھی گئی۔ خلیفہ مظفر علی خاں صاحب امام تھے۔ صفیں درست کی گئیں۔ تو پہلی بار کی نمازیں اٹھارہ ہوئیں۔ جن میں سے ہر ایک میں بقول میر یوسف علی شاہ صاحب پانچ چھ سو آدمی سے کم نہ تھے۔ اور بقول مولوی محبوب عالم صاحب ہر ایک صف میں ایک ہزار آدمی تھے۔ دوسری بار کی نماز میں شمار نہیں کیا گیا کہ کس قدر آدمی شامل تھے۔ کیونکہ رات ہوگئی تھی۔ بعد ازاں جنازہ مبارکہ احاطہ میں لایا گیا۔ اور تقریباً دس بجے شب کے حضور علیہ الرحمۃ کو عین مطابق شریعت اس جگہ سپرد خاک کر دیا گیا جہاں آپ نے حیات ہی میں اشارہ فرمادیا تھا۔

جائے دفن:

واضح رہے کہ زمین احاطہ جہاں اب مزار مبارک ہے وصال سے دو ماہ پہلے چھوٹی مائی صاحبہ نے اپنے روپے سے خریدی تھی۔ جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب لکھتے ہیں۔ کہ جس جگہ حضور کا مزار شریف ہے۔ یہاں صاف ویرانہ میدان تھا۔ گمان بھی آباد ہونے کا نہ تھا۔ البتہ کچھ دنوں پہلے سے آپ کے سامنے ہی اس میدان میں خیمے نصب ہو کر حضور حاجی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ختم ہونے لگا تھا۔ حضور اکثر باہر جنگل میں جاتے ہوئے اس میدان کو پاؤں سے ٹھکرا کر فرمایا کرتے تھے۔ ''مولوی! اس جگہ سے کچھ محبت کی بو آتی ہے۔'' یہ کس کو خبر تھی کہ یہی جگہ حضور کا آرام گاہ ہو کر رشک جناں ہو گی۔ انتہٰی۔

بعد از وصال مُبارک:

ذکر خیر میں ہے کہ وصال سے تیسرے دن ایک بزرگ قبر مبارک پر جا کر مراقب ہوئے کہ دیکھیں تو منکر نکیر کا برتاؤ کیسا رہا۔ حضرت علیہ الرحمۃ سے روحانی ملاقات ہوئی۔ پوچھا کہ حضور کے ساتھ حساب قبر کیسا رہا۔ فرمایا۔ حساب کتاب کیسا؟ انہوں نے کہا۔ حضورؒ! کتابوں میں لکھا ہے کہ قبر میں دو فرشتے آ کر سوال کیا کرتے ہیں۔ ایک منکر ہے دوسرا نکیر۔ حضور نے ہاتھ سے ایک خاص طرح کا اشارہ کر کے فرمایا۔ ہمارے سامنے تو کسی نے اس کا ذکر بھی نہیں کیا۔

وصال مبارک سے چھ ماہ یا کچھ کم و بیش بعد جب قبر مبارک کو پختہ کرنے کے ارادہ سے برگوں کے اوپر کڑا پختہ باندھا گیا۔ تو اس وقت ایک طرف سے ایک مخلص نے چوری سے غلبہ عشق کی وجہ سے تھوڑا سا سوراخ جس سے کہ تمام بدن مبارک دیکھ سکے کھول کر دیکھا۔ تمام بدن مبارک اور کفن مبارک تر و تازہ اور سالم تھا۔ خوشبو نے اندر سے اس قدر غلبہ پایا کہ دماغ برداشت نہ کر سکے۔ مگر وہ فوراً بند کر دیا گیا اور اس کی خوشبو کا اثر کئی روز تک دماغوں میں رہا۔ انتہٰی

راقم الحروف کو جب حضور علیہ الرحمۃ کے وصال کی خبر امرت سر میں پہنچی۔ تو ایک گوشہ تنہائی میں اپنی عمر گزشتہ پر غور کر کے بہت رویا کہ ایسے شیخ کامل اب کہاں ملیں گے۔

جب اُٹھی پیا کی خاطر کو میں ڈھونڈ رہی مورے ہاتھ نہ آئیو اور سکھی اپنا پی سووت کھویو میں اپنا پی جاگ گنوائیو

رات کو دیکھا۔ کہ حضور علیہ الرحمۃ جنگل کی طرف تشریف لے جا رہے ہیں۔ اور لوگ آپ کے پیچھے ہیں۔ میں بھی زیارت کے لیے روانہ ہوا جنگل میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک چھوٹی جھونپڑی میں پلنگ بچھا ہوا ہے۔ حضور علیہ الرحمۃ پلنگ سے نیچے کسی درخت کی سبز شاخیں ہاتھ میں لئے ایک بیمار پر ہلا رہے ہیں۔ وہ بیمار فوراً چنگا ہو گیا۔ حضور نے میری طرف نظر اٹھا کر فرمایا۔ تم نے دیکھا۔ ہمارے ہاں بیمار اس طرح اچھے ہو جاتے ہیں۔ تمہیں اگر کوئی مشکل آئے۔ تو ہمارے پاس آ جایا کرو۔ انشاء اللہ تعالیٰ حل ہو جایا کرے گی۔ اس خواب سے مجھے کمال درجہ کا اطمینان حاصل ہوا۔ چنانچہ جب کبھی مزار مبارک پر حاضر ہوتا ہوں۔ تو عجیب عنایت محسوس ہوتی ہے۔

تاریخ وصال:

حضور علیہ الرحمۃ کی تاریخ وصال بہت لوگوں نے لکھی ہے۔ نظر بر اختصار یہاں صرف دو درج کی جاتی ہیں۔ جن میں سے ایک بلحاظ مادہ تاریخ اور دوسری بلحاظ مضمون سب سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔

از نتائج طبع جناب پیر غلام دستگیر صاحب نامی لاہوری

رفت از دنیا چوں آں قطب زماں — پیر کامل خواجہ انبالوی
مقتدائے عارفانِ نقشبند — پیشوا و رہبرِ ہر متقی
صوفی روشن ضمیر و پاکباز — آفتابِ فیضِ انوارِ نبی
سالِ وصلش نامی مسکین گفت — شہ توکل بود متوکل ولی ۱۳۱۵ھ

از نتائج طبع جناب مولوی محمد سعید صاحب سعید پروفیسر دہلوی مرحوم

اگر ہم چھوڑ دیں خوئے تغافل — تو جائے چشمِ عبرت ہیں ابھی کھل
ہے اوراقِ شبا روزی سے ظاہر — زمانے کا تغیّر اور تبدّل
بہارِ گلستاں ہے چند روزہ — گلوں پر تو عبث نازاں ہے بلبل
خزاں بھی متصل لاگی کھڑی ہے — بھروسہ کیا ترا اے موسمِ گُل

نہ پھول اتنا حبابِ ساحلِ بحر / کہ یہ ہستی تری دم بھر کی گُل
اجل پھرتی ہے یوں در پے ہمارے / کہ جیسے صید کے پیچھے قراول
مفر عصفورِ مسکیں کو کہاں ہو / گرے جب اُس پہ تُندے جوڑ طغرل
خیالِ ہادم اللذّات بھی ہے / کچھ اے دلدادۂ عیش و تغافل
نہیں ہے مقتضائے عمرِ کوتاہ / کہ ہو انساں اسیرِ زلف و کاکل
کٹھن اتنی بڑی درپیش منزل / تجھے میں سفر کے یہ تغافل
خدا چشمِ بصیرت دے تو سُوجھے / کہ دنیا ہے سراسر جال اور جُل
یہ دولت نام ہے جس چیز کا وہ / نہیں از روئے معنی جز تداوُل
سکوں اِس کو نہیں اِک لحظہ اِک دم / فلک کے پاؤں میں سمجھو کہ ہے جُل
بیک لحظہ بیک ساعت بیک دم / پذیرد حالتِ انساں تبدُّل
خبر تھی ہیں توکل شاہ بیمار / سُنا پھر یک بیک اُن کا ترحُّل
گئی وہ روحِ پاک اُن کی نکل یوں / کہ جیسے بوئے نسرین و قرنفل
غمِ عشقِ خدا تھا تیر گویا / کہ سینے میں ترازو سا گیا تُل
نہ نکلی وہ خلش دل سے نہ نکلی / گئی آخر اُسی میں جان گھُل گھُل
توکل شاہ کیا دنیا سے اُٹھے / جہاں سے اُٹھ گیا گویا توکّل
توکل تھا بجائے خود اِک اقلیم / توکل شاہ تھے شاہِ توکّل
توکل فی المثل تھا ایک گلشن / توکّل شاہ تھے شاہِ توکل
بھرا تھا فقر کی دولت سے گھر بار / توکّل اُن کا تھا سارا تموُّل
وجود اِس کا اُنہیں کے دم تلک تھا / اب اسمِ بے مسمّٰی ہے توکل
نہ شادی سے اُنہیں کچھ شادمانی / ملامت سے نہ کچھ اُن کو تملُّل
نہ عمرو و زید سے اُن کو تعلق / نہ سیم و زر کی جانب کچھ تمایُل
نیاز اُن کو فقط تھا اِک خدا سے / سمجھتے عزتِ دنیا کو تھے ذُل

نہ تھی دنیا ومافیہا کی کچھ سُدھ ‌ ‌ ‌ خیالِ دین میں تھا وہ توغُّل

دیا دنیا کے دروازے کو جب بھیڑ ‌ ‌ ‌ گیا بابِ فتوحِ غیب خود کھل

کھلا لیتے نہ مہمانوں کو جب تک ‌ ‌ ‌ نہ کرتے آپ وہ کھانا تناوُل

سفر پیشِ نظر عقبےٰ کا رکھا ‌ ‌ ‌ نہ تھا اِس کے سوا کوئی تخیُّل

کبھی مڑ کر بھی تو پیچھے نہ دیکھا ‌ ‌ ‌ عبور اِس طرح دنیا کا کیا پُل

بڑھا قربِ خدا جتنا گھٹا تن ‌ ‌ ‌ ترقّی کا مگر گُر تھا تنزُّل

نہ چھوڑے دامنِ شرع و طریقت ‌ ‌ ‌ مبارک تھے وہ دونوں اُن کے چنگل

رہے تازیست و پابندِ سنّت ‌ ‌ ‌ اُنہیں کافی یہی ہے بس توسُّل

تعلق میں وہاں تھا لطفِ تجرید ‌ ‌ ‌ نہ تھا کچھ درمیاں حاجب تاہُّل

خموشی میں وہاں لطفِ سخن تھا ‌ ‌ ‌ تکلّم میں تھا اِک لطفِ تغزُّل

نہ دیکھا شاہ میں اہلِ نظر نے ‌ ‌ ‌ جو پایا شاہ صاحب میں تجمُّل

تصوّف کی بنا تھی اُن سے قائم ‌ ‌ ‌ نہیں آیا کبھی اُس میں تزلزل

ملیں گے اب کہاں ایسے مشائخ ‌ ‌ ‌ زمانے کا ہے رُخ سوئے تنزُّل

بھرے گا کون اب آ کے جامِ یاراں ‌ ‌ ‌ نہ وہ ساقی رہا باقی نہ وہ مُل

کہاں وہ دلکش آوازوں کا ہنگام ‌ ‌ ‌ کہاں وہ بانگِ قلقل اب بجز قُل

نہ چھوڑا یادگار اپنا کسی کو ‌ ‌ ‌ مگر اپنا تصوّر اور تخیّل

توکل شاہ کی سُن سُن کر آمد ‌ ‌ ‌ مچایا حوریانِ عدن نے غُل

یہاں ہے شور بزمِ صوفیاں میں ‌ ‌ ‌ ہوئی شمعِ طریقت کیسی یہ گُل ۱۳۱۵ھ

سعید ان کا یہی ہے سالِ رحلت ‌ ‌ ‌ کیا میں نے جو سُن کر تامّل

جوارِ رحمتِ حق ہو میسّر ‌ ‌ ‌ کہ تھے ہر طرح شایانِ تفضّل

فسہّل یا الٰہی کلّ صعب ‌ ‌ ‌ بحقِ احمدِ مختارِ مُرسل

حلیہ مبارک:

قد مبارک میانہ موزوں۔ فربہ اندام۔ سینہ چوڑا۔ ہاتھ پاؤں مضبوط۔ قوی ہیکل۔ صاحب رعب وادب۔ سر کے بال سید ھے نرمہ گوش تک دراز۔ ڈاڑھی گنجان۔ ابرو باریک خمدار مثلِ ہلال۔ پیشانی کشادہ نورانی۔ ناک موزوں۔ رخسارے پُر گوشت۔ آنکھیں بڑی بڑی بادۂ عشق سے مخمور۔ رنگ سرخ وسپید۔

حضور علیہ الرحمۃ اکثر کرتہ بہت نیچا اور کوٹ ہندوستانی قطع کا پہنتے تھے۔ تہبند باندھتے تھے۔ سر مبارک پر کبھی سپاہیانہ وضع کا اور کبھی عالمانہ انداز کا عمامہ ہوتا تھا۔ موسم سرما میں اکثر کنٹوپ پہنتے۔ آپ کو سفید لباس مرغوب تھا۔ رنگین یا گیروا لباس آپ کے بدن پر کبھی نہیں دیکھا گیا۔

میاں عبدالغفور قیس بوڑیوی نے اس حلیہ شریف کو بحرِ مثنوی شریف میں یوں منظوم فرمایا ہے:

ہے توکل ہادی راہِ خدا — ہے توکل تابعِ خیر الورا
جبہ سائی کرتے ہیں ہر روز آ — اس کے در پر سینکڑوں شاہ وگدا
ہوگیا فانی وہ جس دم خاک میں — بھید اُس پہ کھل گیا لاہوت کا
دیکھ کر اس قدرِ موزوں کی پھبن — سر لیا شمشاد نے نیچے جھکا
سینہ چوڑا جسم فربہ اور قوی — نیز تھے مضبوط اُن کے دست و پا
ابروے خمدار تھی شکل ہلال — اور آنکھیں تھیں رسیلی با حیا
پُر لحم رخسار تھے وہ گلعذار — بینی خود بینی سے تھی پاک و صفا
موے سر تھے آپ کے تا نرمہ گوش — ریش تھی گنجان آں مردِ خدا
آپ تہ بند باندھتے تھے بس مدام — کوٹ کرتہ زیب تن کرتے سدا
تھے دوپٹہ عالمانہ باندھتے — اور سپاہیانہ کبھی عربی نما
جب سے انبالہ میں آئے تھے حضور — آپ نے کرتہ نہ پہنا گیروا
ہاں پہنتے تھے مگر ابیض لباس — کیونکہ ہے یہ سنتِ شمس الضحٰی

نواں باب

ارشاداتِ عالیہ

حضرت خواجہ نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ سلوک سے مقصود یہ ہے کہ معرفت اجمالی تفصیلی ہو جائے۔ اس قول کی تشریح حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام علوم کو وحی سے اخذ فرماتے تھے۔ اولیاء کرام ان علوم کو بطریق الہام حق تعالیٰ سے اخذ کرتے ہیں۔ اور علمائے کرام نے ان علوم کو شرائع سے اخذ کر کے بطریق اجمال بیان کیا ہے۔ وہ علوم جیسا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو تفصیلاً و کشفاً حاصل تھے اولیاء اللہ کو بھی اسی طریق سے حاصل ہوتے ہیں۔ ہاں اصالت وتبعیت کا فرق ضرور ہے۔ مگر اولیاء اللہ میں سے ہر ایک کو یہ کمال حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض کو ازمنہ دراز کے بعد اس کمال کے لیے انتخاب کرتے ہیں۔ (مکتوبات دفتر اول مکتوب۔۳) یہ معلوم ہے کہ حضرت شاہ صاحب قبلہ امی تھے۔ آپ کے مکاشفات قدسیہ راقم الحروف کے خیال میں ایک حد تک حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تشریح مذکور کی توضیح کے لیے کافی دوافی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

علم قرآن:

ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ (سورہ حجر۔ اخیر آیت) سے کیا مراد ہے۔ کیا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین نہ تھا۔ فرمایا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو حق الیقین کا مرتبہ حاصل تھا۔ اس آیت میں یقین سے مراد موت ہے

آیت کا مفہوم:

کسی نے آپ سے آیہ شریفہ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (سورہ حدید رکوع اول) کے معنی دریافت کئے۔ فرمایا کہ اول نور خدا اور آخر نور اس کا۔ وہ ظاہر ہے تجلی ظہور صفات سے اور باطن ہے عین ذات کے لحاظ سے۔ ذات پردے میں ہے اور صفات کا ظہور

ہے۔

قدیر و محیط میں فرق:

ایک روز آپ نے مولوی سراج الدین صاحب سے سوال کیا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے کہ اللہ ہر شے پر قدیر ہے۔ اور دوسری جگہ یوں ہے کہ اللہ ہر شے پر محیط ہے۔ قدیر و محیط میں کیا فرق ہے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضور! مجھے کیا خبر۔ آپ نے فرمایا کہ تم بھی مولوی ہو۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ اس سوال کا تعلق تصوف سے ہے نہ کہ علم ظاہر سے۔ آپ ہی ارشاد فرمائیے۔ فرمایا کہ قدیر ہے ذات سے اور محیط ہے صفات سے۔ فرمایا کہ مراقبہ قدیر اعلیٰ درجہ کا ہے مراقبہ محیط سے۔

تو محیطی بر ہمہ اندر صفات　　　　وز ہمہ پاکی و مستغنی بذات

روح امر ربی ہے:

جناب مولوی سراج الدین صاحب نے آپ سے سوال کیا کہ حضور! روح امر ربی ہے بحکم قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (بنی اسرائیل۔ ع ۱۰) اور یہ مومن و کافروں دونوں میں ہے۔ جب کافر کی روح دوزخ میں گئی۔ تو گویا امر ربی گیا۔ اس کے جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ جنت و دوزخ کیا ہیں؟ یہ دونوں اسماء و صفات کے ظہور ہیں۔ دوزخ صفت قہاری کا ظہور ہے پس کافر کی روح جو قہر سے پیدا ہوئی۔ قہر یعنی دوزخ کی طرف گئی۔ کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلٰی اَصْلِهٖ (ہر چیز اپنے اصل کی طرف رجوع کرتی ہے) مولانا روم فرماتے ہیں۔

نوریاں مر نوریاں را جاذبند　　　　ناریاں مر ناریاں را جاذبند

پھر مولوی صاحب نے عرض کیا کہ کُن کے فرمانے سے ارواحِ خلق پیدا ہوئیں۔ چونکہ روحیں دو قسم کی ہیں۔ قہری اور رحمت کی۔ تو گویا کُن دوبارہ فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ نہیں کن ایک ہی دفعہ کہا۔ مگر صفات رحم و قہر ہر دو کا ظہور ہو گیا جیسا کہ ہم ایک آنکھ سے کسی کو قہر سے اور کسی کو رحم سے دیکھتے ہیں۔

خوف اور غم:

جناب مولوی محبوب عالم صاحب کا بیان ہے۔ کہ ایک روز صبح کے وقت میں حاضر خدمت ہوا۔ فرمایا۔ مولوی صاحب! یہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ کیا کلام ہے۔ میں نے عرض کیا۔ حضور یہ قرآن شریف کی آیت ہے۔ اور تمام آیت یوں ہے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (سورہ یونس۔ ع) فرمایا۔ اچھا۔ اس سے پہلے اولیاء اللہ کا لفظ بھی ہے؟ میں نے عرض کیا۔ ہاں حضور ہے۔ پھر فرمایا۔ اس کے معنے کیا ہوئے۔ میں نے عرض کیا۔ حضور! اس کے معنی یہ ہیں کہ جو اولیاء اللہ ہیں ان پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم ہے۔ فرمایا۔ اس خوف وغم کے نہ ہونے کا کیا مطلب ہے۔ میں نے عرض کیا۔ حضور! اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ اولیاء اللہ ہیں انہیں عذاب قبر۔ حشر۔ قیامت۔ میزان۔ پل صراط دوزخ وغیرہ وغیرہ کا کچھ خوف اور غم نہیں ہے۔ فرمایا۔ یہ سارا تو لَا خَوْفٌ میں آچکا۔ کیونکہ انہیں کوئی خوف جو نہ ہوا۔ پھر غم کا ہے کا باقی وہ گیا۔ میں نے عرض کیا۔ حضور اس کا مطلب آپ جانتے ہوں گے۔ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب عذاب قبر۔ قیامت۔ میزان۔ حساب و کتاب۔ پل صراط وغیرہ کا کچھ خوف نہ رہا اور وہ بلا حساب بخشے گئے۔ تو خوف ہر طرح کا جاتا رہا۔ مگر غم اس بات کا رہا کہ دیکھئے اجر وثواب اور جنت میں مراتب بھی پورے ملتے ہیں یا کسی قدر کمی بیشی ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہیں ان مراتب اور اجر وثواب کے بارے میں بھی کسی طرح کا غم نہ ہوگا۔ پھر فرمایا۔ ہمیں تین دفعہ یہ آواز آئی کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ یعنی تجھے اس گروہ میں داخل کر دیا۔ جن کے بارے میں یہ آیت ہے۔ تجھے نہ خوف ہوگا اور نہ کسی طرح کا غم ہوگا۔ ہم نے تجھے بے حساب بخش دیا۔ میں نے عرض کیا۔ حضور! یہ بشارت خاص حضور ہی کے واسطے ہے یا آپ کے ملنے والوں کے واسطے بھی۔ فرمایا۔ یہ بشارت ہمارے ملنے والوں کے واسطے بھی ہے اور جو ان کے ملنے والے ہوں گے ان کے واسطے بھی۔ اور جو کوئی ہمارے سلسلہ میں قیامت تک ہماری نسبت حاصل کرے گا اور ہمارے طریقہ کا پابند رہے گا ان سب کے واسطے یہ بشارت ہے۔ اس بات کا حکم بھی اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگیا تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے بھی اس کی تصدیق ہوگئی۔ اور پھر مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی

اپنے دفتر میں ہمیں ان سب کے نام لکھے ہوئے دکھائے جو قیامت تک ہمارے سلسلہ میں داخل ہوکر ہماری نسبت حاصل کریں گے۔اور ہمارے طریقہ کے پابند رہیں گے۔اور اس بشارت میں داخل ہیں۔

جنت کا واجب ہونا:

ایک روز کسی شخص نے یہ مسئلہ پوچھا کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔اس کے لیے بہشت واجب ہوگئی۔پھر ابوجہل وابولہب وغیرہ نے بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا وہ کیوں بہشتی نہ ہوئے۔فرمایا ابوجہل ابولہب وغیرہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا تھا۔بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھتیجا سمجھ کر دیکھا تھا۔اور بھتیجا اور چھوٹا سمجھنا ہی کفر تھا۔اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول سمجھ کر دیکھتے۔تو یہی ایمان تھا۔کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔
وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔اور بہشت میں جانا ایمان کے ساتھ مشروط ہے۔انتہٰی

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب قبلہ نے جو جواب ارشاد فرمایا وہ بالکل درست ہے' سلطان محمود غزنوی نے اسی قسم کا اعتراض شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ پر کیا تھا۔حضرت شیخ نے یہی جواب دیا تھا اور ثبوت میں آیہ وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (اعراف۔اخیر رکوع) پیش کی تھی جیسا کہ ترجمہ حضرت ابوالحسن خرقانی میں بیان ہوا۔

برائے دیدن روے تو چشمے دیگرم باید　　　کہ ایں چشمے کہ من دارم جمالت را نمے شاید

حزب البحر:

ایک روز ایک شخص نے حاضر ہوکر عرض کیا۔کہ حضور! مجھے حزب البحر پڑھنے کی اجازت دے دیں۔آپ نے فرمایا کہ ہم تو حزب البحر پڑھتے نہیں۔جو پڑھتا ہو۔اس سے اجازت لے لو۔خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ جو کام تم خود نہیں کرتے۔اوروں سے کیوں کہتے ہو کہ کرو جبکہ ہم حزب البحر نہیں پڑھتے۔تو اس کی اجازت کس طرح دے دیں۔اس طرح منع ہے۔قرآن شریف میں صریح حکم ہے۔راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضور علیہ الرحمۃ کا اشارہ آیہ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کی طرف ہے۔یعنی اے ایمان والو! تم وہ بات

کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے۔

رزق کا وعدہ:

ایک روز ان آیتوں کا تذکرہ تھا۔ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ o فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ۔ ترجمہ۔ اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ سو آسمان و زمین کے پروردگار کی قسم کہ یہ بات تحقیق ہے جیسے کہ تم بولتے ہو۔ ایک زمیندار حاضر خدمت تھا۔ اس نے حضرت علیہ الرحمۃ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا۔ کہ حضور! ہم زمین میں ہل چلاتے اور بوتے بیجتے ہیں۔ تو ہم کو زمین سے رزق ہاتھ آتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رزق آسمانوں میں ہے۔ یہ کیا بات ہے۔ فرمایا۔ درحقیقت رزق آسمانوں ہی میں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں۔ جس سے مری ہوئی زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ اور وہی آسمان سے پانی برسا کر بندوں کے واسطے رزق پیدا کرتا ہے۔ وہ آیتیں تو ہمیں یاد نہیں۔ پھر فرمایا۔ بات یہ ہے کہ رزق آسمان ہی سے آتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تاثیر اور پانی آسمان سے زمین پر وارد کرتا ہے۔ اور زمین کو حکم دیتا ہے۔ تب زمین اس پانی اور تاثیر سے رزق اگاتی ہے اور خدا تعالیٰ کا حکم مانتی ہے۔ پس دراصل رزق آسمان سے ہی آتا ہے۔ کیونکہ زمین سے کچھ پیدا نہیں ہو سکتا جب تک کہ آسمان سے تاثیر پانی اور خدا تعالیٰ کا حکم زمین پر وارد نہ ہو۔

علم حدیث:

ایک روز جالندھر کے ایک فاضل مولوی صاحب حاضر خدمت ہوئے اور آپ سے کئی مسئلے دریافت کئے۔ فاضل موصوف حضور علیہ الرحمۃ کے جوابات سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ ان کو امی کون کہتا ہے۔ یہ تو علم کے دریا ہیں۔ جب وہ رخصت ہونے لگے۔ تو حضرت صاحب نے فرمایا کہ ہمارا بھی ایک مسئلہ بتاتے جاؤ۔ اور وہ یہ کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس وقت خدا تعالیٰ کہاں رہتا تھا۔ یہ سن کر فاضل موصوف نے عرض کیا کہ مجھے معلوم نہیں۔ آپ ہی ارشاد فرمائیے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ اس وقت اپنی صفات کے بادل میں تھا۔ یعنی ذات خدا صفات کے پردہ میں تھی۔ فاضل جالندھری نے تسلیم کیا اور کہا

کہ [1] (یہ مولوی محبوب عالم صاحب کی روایت ہے۔ مگر مولوی سراج الدین صاحب کی روایت میں یوں ہے کہ خود حضرت صاحب نے اس حدیث کے معنی فاضل موصوف سے دریافت کیے۔ جب اسے نہ آئے۔ تو خود ارشاد فرمائے۔) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہے فرمایا۔ کان فی عماء۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ ہم حدیث شریف تو پڑھے ہوئے نہیں۔ مگر معلوم اسی طرح ہوتا ہے۔ اور پھر ان ہی صفتوں کا ظہور ہوا۔ جن سے زمین و آسمان چاند سورج وغیرہ سب چیزیں بن گئیں۔ انتہیٰ۔

(راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ فاضل موصوف نے جس حدیث کا حوالہ دیا وہ یوں ہے

عن ابی رزین قال قلت یارسول اللہ این کان ربنا قبل ان یخلق خلقه قال کان فی عماء ماتحته هواء وما فوقه هواء وخلق عرشه علی الماء رواه الترمذی وقال قال یزید بن هارون العماء ای لیس معه شئی (مشکوٰۃ شریف۔ باب بدء الخلق)

ابورزین صحابی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ پیدائش خلق سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا۔ فرمایا۔ عماء میں تھا۔ کہ نہ اُس کے نیچے ہوا تھی اور نہ اُس کے اوپر ہوا تھی۔ اور اس نے اپنے عرش کو پانی پر پیدا کیا۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا۔ اور کہا کہ حافظ حدیث یزید بن ہارون (متولی 217ھ) نے کہا کہ عماء کنایہ ہے اس سے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔

عماء کے معنی بادل کے ہیں۔ اُس کی تشریح میں شراح حدیث حیران ہیں۔ ابو عبید کا قول ہے کہ اس عماء کی کیفیت کسی عالم کو معلوم نہیں۔ کوئی اس سے حجاب جلال مراد لیتا ہے۔ کوئی غیب ہویت ذات بلاظہور مظاہر صفات بتاتا ہے۔ بعضے اسے متشابہات میں شمار کرتے ہیں۔ مولانا جامی نے اس حدیث کی شرح میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ اندریں صورت حضور علیہ الرحمۃ کا ارشاد خاص اہمیت رکھتا ہے اور ہمارے نزدیک اقرب الی الصواب ہے۔ بلکہ صواب یہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حدیث کا مفہوم:

جناب مولوی سراج الدین صاحب کا بیان ہے۔ کہ ایک روز حضور علیہ الرحمۃ نے مجھ سے اس حدیث (انکم سترون ربکم کماترون هذاالقمر) کے معنے پوچھے۔ اور فرمایا کہ اگر چاند جیسا ہوگا۔ تو نور محدود ہوگا۔ حالانکہ ذات خدا محدود نہیں۔ میں نے عذر کیا کہ آپ ہی ارشاد فرمایئے۔ فرمایا کہ جمالیت کا ظہور ہوگا۔ چاند جیسا چمکتا ہوا نور ہوگا۔ نہ یہ کہ اسی قدر کرہ ہوگا جو محدود ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حدیث زیر بحث یہ ہے:

عن جرير بن عبدالله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انكم سترون ربكم عيانًا وفي رواية قال كنا جلوسًا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فنظر الى القمر ليلة فقال انكم سترون ربكم كما ترون هذاالقمر لاتضامون في رؤيته (مشکوٰۃ شریف۔ باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک تم اپنے پروردگار کو ظاہر آنکھ سے دیکھو گے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ پس آنحضرتؐ نے چودھویں رات کے چاند کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ تحقیق تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے جیسا کہ اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیدار میں ضرر یا ظلم نہ کئے جاؤ گے'

شارحین لکھتے ہیں کہ یہاں رؤیت کی تشبیہ رؤیت سے ہے انکشاف تام میں۔ یعنی تمہارا حق تعالیٰ کو دیکھنا ایسا ہوگا جیسا اس چاند کو دیکھنا کہ اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اور مرئی کی تشبیہ مرئی سے مراد نہیں۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ جیسا کہ یہ چاند تمہارے مقابلہ میں اور جہت میں ہے اور محدود ہے ذات حق تعالیٰ بھی اسی طرح محدود ہوگی۔ رہا لا تضامون۔ سو اس کی تشریح کئی طرح سے کی گئی ہے۔ اگر تضامون کو بضم تا و تخفیف میم مضمومہ پڑھا جائے۔ تو وہ ضیم

سے ہے۔ جس کے معنی ضرور ظلم کے ہیں۔ یعنی تم پر دیدار حق میں ضرور ظلم نہ ہوگا کہ بعضے دیکھیں اور بعضے نہ دیکھیں۔ بلکہ سب دیکھیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم ایک دوسرے پر تکذیب وانکار سے ظلم نہ کرو گے۔ بلکہ سب تصدیق کریں گے کہ واقعی یہ رویۂ حق تعالیٰ ہے۔ اگر بشد میم مضمومہ اور ضم تا یا فتح تا کے ساتھ باب مفاعلہ (مضامتہ بمعنی مزاحمۃ) اور باب تفاعل (تضام بمعنی تزاحم) سمجھا جائے۔ تو یہ معنی ہوں گے کہ تم بوقت رویت باری تعالیٰ بوجہ کمال ظہور و وضوح کے مزاحمت و ازدحام نہ کرو گے۔ جیسا کہ ماہ نو کی رؤیت کے وقت بوجہ خفا و اشتباہ کیا کرتے ہو۔ بلکہ ہر ایک مومن حق تعالیٰ کو بآسانی دیکھ لے گا۔ یہ ہے ماحصل شراح کی تگ ودو کا۔ مگر حضور علیہ الرحمۃ نے جو معنی بیان فرمائے ہیں۔ وہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہوئی۔ فقیر راقم کے نزدیک یہی معنی اقرب الی الصواب بلکہ صواب ہیں۔ کیونکہ حدیث زیر بحث میں رؤیت باری تعالیٰ کا ذکر ہے۔ جو قیامت کے دن مومنوں کو نصیب ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ رؤیت رؤیت جمالیہ ہوگی۔ اسی واسطے اس کو رؤیت بدر سے تشبیہ دی۔ موقف میں کفار کو بھی رؤیت حق ہوگی۔ مگر وہ رؤیت قہر جلال ہوگی۔ اس کے بعد وہ مجوب ہو جائیں گے تا کہ ان کو حسرت وعذاب زیادہ ہو۔ حدیث شریف کے الفاظ لا تضامون فی رویته اسی معنے کی تائید کر رہے ہیں۔ مصباح منیر میں ہے۔ ضامه ضیما مثل ضاره ضیر اوز ناو معنی۔ اور ضاره ضیرا من باب باع اضربه۔ پس لا تضامون فی رویته کے معنے یہ ہوئے کہ رویت باری تعالیٰ میں تم کو تکلیف وضرر نہ ہوگا کیونکہ وہ رؤیت جمال ہوگی۔

دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے:

ایک شخص نے سوال کیا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّۃُ الْکَافِرِ یعنے دنیا مومن کے لیے قید وخانہ اور کافر کے لیے بہشت ہے۔ مگر اس کے برعکس دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے مومن مالدار اور کئی کافر نان شبینہ کے محتاج ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ مسلمان یہاں کتنا ہی عیش وارام میں ہو۔ بمقابلہ النعماء بہشت قید خانہ ہی میں ہے۔ اور کافر دنیا میں خواہ کتنی تکلیفیں اٹھائے۔ عذاب دوزخ کے مقابلہ میں یہ تکالیف بہشت معلوم ہوں گی۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہ حدیث مشکوٰۃ شریف (کتاب الرقاق۔ فصل اول) میں مذکور ہے۔ اس کا مطلب جو حضور علیہ الرحمۃ نے فرمایا بالکل درست ہے۔ چنانچہ علامہ حسن بن محمد طیبی (متوفی ۷۴۳ھ) نے شرح مشکوٰۃ میں اس کے معنی یوں لکھے ہیں۔

الدنیا سجن المؤمن و ذافی جنب مَاعدّ له من المشوبة وجنة الکافر فی جنب مااعدّله من العقوبة وقیل المومن یسجن نفسه عَن الملاذ ویاخذھا بالشدائد و کافر عکسه (مجمع بحار الانوار)

دنیا مومن کے لیے مثل قید خانہ کے ہے۔ بمقابلہ اس ثواب کے جو اس کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اور کافر کے لیے مثل جنت کے ہے۔ بمقابلہ اس عذاب کے جو اس کے لیے تیار ہے۔ اور کہا گیا کہ مومن اپنے نفس کو لذات و شہوات سے روکتا ہے اور اسے سختیوں میں ڈالتا ہے۔ اور کافر اس کے برعکس لذات و شہوات میں مشغول رہتا ہے۔

تفسیر روح البیان میں شرح تفسیر سورہ ہود میں ہے۔ کہ دنیا کا قید خانہ ہونا بمقابلہ نعیم آخرت کے ہے جو مومن کے لیے تیار کی گئی ہے اور یہ فی الجملہ راحت کا منافی نہیں۔ چنانچہ حکایت ہے کہ اہل بغداد میں سے ایک قاضی اپنے خدم و حشم کے ساتھ ایک گلخانی کے کوچہ سے گذرا۔ وہ گلخانی بدشکل جہنمی کی صورت میں یوں نمودار ہوا کہ گویا چیڑ کا تیل اس کے جوانب سے گر رہا ہے۔ اس نے قاضی صاحب کی خچر کی لگام تھام کر کہا۔ تمہارے پیغام کے اس قول (الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر) کے کیا معنی ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ دنیا تمہارے واسطے جنت ہے حالانکہ تم مومن محمدی ہو۔ اور میرے واسطے قید خانہ ہے حالانکہ میں کافر یہودی ہوں۔ قاضی نے جواب دیا۔ کہ دنیا اور اس کی زینت و حشمت مومنوں کے لیے قید خانہ ہے بمقابلہ جنت اور درجات جنت کے جو ان کے لیے تیار کئے گئے ہیں۔ اور کافروں کے لیے جنت ہے۔ بمقابلہ جہنم اور درکات جہنم کے جو ان کے لیے تیار کئے گئے ہیں۔ یہودی سمجھ گیا اور اسلام لایا۔ انتہٰی۔

اخلاص کا مفہوم:

حضور علیہ الرحمۃ سے دریافت کیا گیا کہ نماز میں اخلاص کیا چیز ہے۔ ارشاد ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اخلاص کے یہ معنی ہیں کہ نماز میں خیال رکھو کہ ہم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔ اگر یہ نہ ہو۔ تو اتنا خیال ضرور رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب نے جس حدیث شریف کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ حدیث جبرئیل ہے۔ جس میں اسلام وایمان کی نسبت استفسار کے بعد حضرت جبرئیلؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہیں۔ فاخبرنی عن الاحسان یعنے مجھے بتایئے کہ احسان واخلاص کیا چیز ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جواب میں فرماتے ہیں۔ ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک (مشکوٰۃ شریف۔ کتاب الایمان) یعنے احسان سے مراد یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اُس کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تیرا یہ حال نہیں کہ گویا تو اُس کو دیکھ رہا ہے۔ تو عبادت بدیں صفت کر تو جانے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے انتہےٰ۔

اللہ تعالیٰ کی ندا

حدیث ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر شب سب سے نیچے کے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے۔ جس وقت کہ رات کا اخیر کا تیسرا حصہ باقی ہوتا ہے۔ اور یوں پکارتا ہے:

من یدعونی فاستجیب لہ من یسألنی فاعطیہ من یستغفرنی فاغفرلہ۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

کون ہے کہ مجھ سے دعا کرے تا کہ میں اس کی دعا قبول کرلوں۔ کون ہے کہ مجھ سے مانگے تا کہ میں اسے عطا کروں۔ کون ہے کہ مجھ سے معافی مانگے تا کہ میں اسے معاف کردوں۔

حضور شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی نے اس ندا کو چند بار سنا ہے۔ اور اس فقیر نے بھی دو تین بار سنا ہے۔ اس ندا کا وقت اکثر تین چار

بجے کے مابین ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ ہم اس وقت وظیفہ کر رہے تھے۔ کہ آسمان پر پہلے ایک سیٹی کی سی آواز ہوئی۔ پھر اس میں سے یہ الفاظ پیدا ہوئے۔ اے ہمارے بندے توکل وظیفہ کرنے والے!

توکل کی کیفیت:

فرمایا۔ ہمارا توکل ایسا ہے جیسا کہ بچہ باپ کی گود میں ہوتا ہے۔ بچہ کو کسی طرح کا فکر نہیں ہوتا اور باپ کو اس کے سارے فکر ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ اصل اصول توکل میں یہ ہے کہ حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ۔ یعنے میں اپنے بندے کے ساتھ اُس کے گمان کے موافق برتاؤ کرتا ہوں۔ جیسا گمان وہ میری نسبت رکھتا ہے۔ میں اس کے ساتھ اسی طرح پیش آتا ہوں۔

حافظ شیرازی کا یہ شعر ہے۔

کس ندانست کہ منزلگہِ مقصود کجاست ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے مے آید

حضور علیہ الرحمۃ نے اس شعر کے حل میں فرمایا کہ مقصود سے مراد خدا تعالیٰ ہے۔ جس کی جگہ معلوم نہیں کیونکہ وہ لا مکانی ہے۔ اور بانگِ جرس (گھنٹی کی آواز) سے مراد وحی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ وہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے۔ آپ نے فرمایا:

احیاناً یا تینی مثل صلصلہ الجرس وھو اشدہ علی فیفصم عنی وقد وعیت عنہ ماقال

گاہ گاہے مجھ پر وحی گھنٹی کی آواز کی مثل آتی ہے۔ اور وحی کی یہ نوع مجھ پر زیادہ سخت ہے۔ پس وہ مجھ سے منقطع ہو جاتی ہے حالانکہ میں اُس وحی سے یاد رکھتا ہوں اس چیز کو جو فرشتہ نے کہی۔

علم فقہ:

فرمایا علم ظاہری کے بغیر فقیری میں قدم رکھنا گمراہی ہے۔ کیونکہ نماز روزہ اور دیگر ارکان اسلام کا ادا کرنا اور ان کے حقائق وارد ہو کر ان میں سیر کرتے ہوئے دیدار الٰہی میں مستغرق ہونا اسی کا نام تو فقر ہے۔ رہا علم لدنی۔ سو وہ خدا تعالیٰ کا انعام و فضل ہے۔ اور فضل و انعام اس پر ہوتا ہے جس پر خدا راضی ہو۔ مگر وہ نافرمان پر راضی نہیں ہوتا۔ پس جس نے ان ارکان کو ترک کیا۔ اس پر وہ راضی نہیں۔ تو اسے علم لدنی جو فضل و انعام ہے کیونکر حاصل ہو۔ پس پہلے ارکان اسلام کے مسائل مثل حلت و حرمت۔ جائز و ناجائز۔ سنت۔ مکروہ۔ مستحب۔ واجب و فرض سے خوب واقفیت حاصل کرے۔ پھر فقیری میں قدم رکھے۔

دستِ غیب کی روزی:

دست غیب کی روزی کی نسبت فرمایا۔ کہ دست غیب کے سب عمل حرام نہیں۔ بلکہ عمل دو قسم کے ہوتے ہیں۔ جب کوئی شخص عمل کے طریقہ پر کوئی اسم الٰہی پڑھتا ہے۔ تو دو طرح کے خادم اس کے تابع ہو جاتے ہیں۔ ایک ملائکہ میں سے دوسرے جنات میں سے۔ جنات روزی لانے میں حرام و حلال کی تمیز نہیں کرتے۔ اس واسطے جس طریقہ عمل سے جنات تابع ہوتے ہیں اس طریقہ سے عمل پڑھنا منع ہے۔ اور اس طریقہ کی روزی حرام ہوتی ہے۔ مگر فرشتے ہمیشہ حلال و طیب روزی تلاش کرتے ہیں۔ اور کسی ایسے خزانہ سے جو کسی کی ملکیت نہ ہو لاتے ہیں۔ ایسا عمل جائز ہے۔

حلال اور حرام:

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب انبہٹوی لکھتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ کوتوالی کی ملازمت کا ذکر آیا۔ حضور علیہ الرحمۃ فرمانے لگے۔ اس کا حلال یا حرام ہونا تو مولوی جانیں۔ لیکن ایک مرتبہ حسب عادت میں نے مظفر علی خاں صاحب کے پاس کوتوالی میں قیام کر دیا۔ شب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس قائم تھی۔ مجھ کو اندر جانے کی اجازت نہ ملی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ توکل شاہ کوتوالی میں ٹھہرا ہوا ہے اسے اندر نہ آنے دو۔ میں فوراً مظفر علی خاں سے یہ

ماجرا بیان کر کے اپنا بستر اُٹھا جنگل کو ہولیا۔ خدا جانے اس میں کیا حکمت تھی۔

درود شریف کی فضیلت:

ایک روز فرمایا۔ کہ اور تمام عبادتیں بسبب کسی قصور کے رد ہو سکتی ہیں۔ مگر درود شریف ایسی شے ہے کہ وہ کسی حالت میں بھی رد نہیں ہو سکتا۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہی قول سلف سے منقول ہے۔ جس کی توضیح وتشریح ہم نے سیرتِ رسول عربی ؐ صلی اللہ علیہ وسلم میں کی ہے۔

علم تصوف:

فرمایا۔ مرید پر پیر کا حق یہ ہے۔ کہ گھر بار دھن دولت غرض جو چیز مرید کی ملکیت میں ہے سب پیشوا کی ملک ہو جاتی ہے۔ اور اس میں اصل با قاعدہ یہ ہے کہ مرید پیشوا کے سامنے اپنے آپ کو ایسا سمجھے جیسا مردہ بدستِ غسال۔ ایک فانی جان دینے سے وہ باقی جان آ جاتی ہے جو کبھی فنا نہ ہو۔

پیر کا مرید پر حق:

پیر پر مرید کا حق یہ ہے کہ اول مرید کے واسطے جانکنی کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور خود مدد کرے کہ اُس کے دل میں نام الٰہی جاری ہو جائے۔ اگر مرید پر بیہوشی ہے۔ تو نور کی تجلی وارد کرے تا کہ اُس کو علم توحید ہو جائے۔ اور شیطان کے دھوکہ سے بچائے کہ وہ ایمان سلب نہ کر سکے۔ دوسری منکر نکیر کے سوال کے وقت اللہ تعالیٰ سے جواب میں آسانی یا معافی کرا دے۔ بلکہ سوال کے وقت پیر کی روح مرید کے پاس ہو تا کہ وہ گھبرا نہ جائے۔ تیسری پل صراط پر مدد کرے پھر سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت میں داخل کرے اور جنت میں پہنچا دے۔ یہ ان مریدوں کا حق ہے جو پیشوا سے محبت رکھنے والے اور ان کے وظائف کے پابند اور ان کے ارشادات پر عمل کرنے والے ہوں۔ باقی وہ مرید جو پیشوا کی ذات میں فانی ہو چکے ہیں ان کے حقوق کہنے سننے سے باہر ہیں۔ انتہا یہ کہ اللہ تعالیٰ سے واصل کر دے۔

پیر کا مرتبہ:

ایک روز مجمع میں کسی شخص نے پوچھا۔ کہ حضور! مرید پیر سے بڑھ بھی جاتا ہے؟ فرمایا۔

بعض مرید ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کی سیر اتنی دور ہوتی ہے کہ پیر کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ کہاں تک ہے چنانچہ سری سقطی علیہ الرحمۃ سے کسی نے یہی سوال کیا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ جنید مجھ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ پھر فرمایا۔ کہ اب بھی ایسے ہیں۔ مگر مرید گو پیر سے بڑھ جائے۔ لیکن پیر پیر ہی رہتا ہے۔ پیر کا وہی ادب و تعظیم اور مرتبہ باقی رہتا ہے۔

مرشد کی توجہ:

کسی نے عرض کیا۔ کہ حضور! اکثر مرشد مریدوں کو خواب میں آ کر ہدایت کرتے ہیں یا توجہ وغیرہ دیتے ہیں۔ اس کا علم مرشد کو بھی ہوتا ہے یا نہیں۔ فرمایا۔ کبھی مرشد کو علم ہوتا ہے اور کبھی نہیں بھی ہوتا۔ اگر خود مرشد کا ارادہ ہوتا ہے۔ تو اسے علم ہوتا ہے ورنہ مرشد کا لطیفہ خود مرشد کی صورت اختیار کر کے مرید کے لطائف وغیرہ کو توجہ یا ہدایت کئے جاتا ہے اور مرشد کو علم بھی نہیں ہوتا۔

روح سے افاضہ:

ایک روز ارشاد فرمانے لگے کہ ارواح سے افاضہ اور استفاضہ یقیناً جاری ہے۔ فقیر ایک مرتبہ مراقبہ میں مشغول تھا۔ ایک شخص کی روح جو کئی سو کوس کے فاصلہ پر تھی فقیر سے اس قدر فیض لے رہی تھی کہ فقیر تقریباً خالی ہو ہو جاتا تھا۔ مگر فیض الٰہی نامتناہی ہے۔ اس سے خدا کا بندہ خالی نہیں ہو سکتا۔ فکر سے معلوم ہوا کہ مستفیض فقیر کا مرید ہے۔

ذکر کا جاری رہنا:

ایک مرتبہ فرمانے لگے۔ سالک جس شغل یا ذکر کی کثرت زندگی میں کرتا ہے۔ انتقال کے بعد بھی وہ جاری رہتا ہے۔ چنانچہ ہم پانی پت میں تھے۔ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی قدس سرہ کے مزار پر حاضر ہو کر مراقب ہوئے۔ تو صاحب مزار پکار پکار کر اللہ اللہ کہہ رہے تھے۔ ہم نے امیر اللہ شاہ کو بھی یہ ذکر سنوا کر کہا کہ یہ زندگی کا شغل اب تک جاری ہے۔

فیض کا سلب ہونا:

ذکر خیر میں ہے کہ ایک روز آپ سے دریافت کیا گیا۔ کہ کیا فقیر ایک دوسرے کا فیض

سلب کر لیتے ہیں۔ فرمایا ہاں۔ کر لیتے ہیں۔ مگر وہی جو کم ہمت ہوں۔ کامل کسی کا فیض سلب نہیں کرتے۔ بلکہ دوسرے کو ترقی بخشتے ہیں۔ اس کے بعد آپ سے فیض مسلوب کے واپس لینے کا طریقہ دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا کہ اپنے پیشوا کے قلب کے نیچے اپنا قلب کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کا فیض بتوسط مرشد لے اور درود شریف پڑھے۔ فیض واپس آ جائے گا اور ترقی ہو جائے گی۔ اگر وہی فیض واپس لینا ہو۔ تو اس کی ترکیب یہ ہے کہ سلب کرنے والے شخص کے قلب کے پیچھے اپنے پیشوا کا قلب اور اس کے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب تصور کر کے درود شریف پڑھے اور کشش کرے۔ تو وہی فیض بعینہ واپس آ جائے گا۔ اور فرمایا کہ اہل قبور کی حالت اس طرح ہے۔ کہ جو بزرگ فیض دیتے ہوئے فوت ہوا وہ فیض دیتا ہی رہتا ہے اور جو فیض لیتے ہوئے مر گیا۔ اس کی قبر پر جو شخص جائے گا وہ اسی سے فیض لینا شروع کر دے گا۔ اگر مرشد کامل کے فرمودہ وظائف کو پورے طور پڑھتا رہے۔ تو بھی سلب شدہ فیض واپس آ جاتا ہے اور ترقی ہو جاتی ہے پھر فرمایا کہ کثرت سے درود شریف پڑھنے والے کی نسبت کوئی سلب نہیں کر سکتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے اُس کی ہر وقت پرورش ہوتی رہتی ہے۔

کرامت کا مفہوم:

ایک روز کسی نے عرض کیا۔ کہ حضور! کرامت کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا۔ کرامت فعل اللہ تعالیٰ کا ہے۔ بندہ بیچ میں صرف واسطہ ہے۔ اولیاء اللہ سے جو کرامت ظہور میں آتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ سے ظہور میں آتی ہے۔ اولیاء اللہ جب تک ارادہ الٰہی معلوم نہیں کر لیتے۔ تب تک اُس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اولیاء اللہ خدا کے پیارے ہوتے ہیں۔ ظہور کرامت سے وہ اپنے پیاروں کی قدر کرواتا ہے۔ لوگوں کو ان سے محبت ہو جاتی ہے۔ اور ان سے ہدایت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ولی کی کرامت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ کیونکہ لوگ سمجھ لیتے ہیں کہ جب ولی سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیلی اور تابع ہیں اس قسم کی کرامت ظہور میں آتی ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تو بڑی شان ہے۔

قطبیت کی خبر:

ایک روز جناب مولوی محبوب عالم صاحب نے عرض کیا۔ کہ حضور! کیا قطب کو اپنی قطبیت کی خبر بھی ہوجاتی ہے۔ فرمایا کہ عقلمند پڑھا ہوا شخص جب قطب ہوتا ہے۔ تو اس کو لباس پہنایا جاتا ہے اور عمامہ بندھوایا جاتا ہے۔ بعضوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سے اور بعضوں کا ہاتف غیب سے آوازہ ہوجاتا ہے کہ یہ قطب ہوگیا۔ اور جوان پڑھ مگر صالح و پرہیزگار ہو یا چھوٹے گاؤں کا قطب ہو ان میں سے بعضوں کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ مگر غوث کو تمام خبر ہوتی ہے کیونکہ فریادرسی اس کا کام ہوتا ہے۔ احکام الٰہی پہلے اس پر وارد ہوتے ہیں۔ پھر جہان میں نفاذ پاتے ہیں۔ قطب پر حروف مقطعات کھل جاتے ہیں۔ قطب مدار تمام دنیا میں ایک ہوتا ہے اور اکثر وہ جنگل میں رہتا ہے۔

حکومت باطنی کی تلوار:

نقل ہے کہ حضور کی عادت مبارک تھی۔ کہ بعض اوقات تمام ران پر ہاتھ نہ رکھا کرتے بلکہ کہنیوں کو اُٹھائے رکھتے جب دو زانو بیٹھتے اور ہاتھ دھوتے۔ تو زانو پر ہاتھ ٹکا لیتے اور کہنیاں کھڑی رکھتے یعنی ران پر نہ لگنے دیتے۔ ایک روز پیر جی عنایت حسین لودھیانوی نے حضور سے اس کا سبب دریافت کیا۔ فرمایا۔ جب کوئی ولی قطب ہوجاتا ہے۔ تو اس کو نوری شکل میں حکومت باطنی کی تلوار خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے عطا ہوتی ہے۔ وہ ہر وقت برہنہ رانوں پر رکھی رہتی ہے بعض وقت ایک تلوار ہوتی ہے۔ لیکن اکثر دو تلواریں کھچی رہتی ہیں۔ اس واسطے ہم کو اپنے بازو اس سے الگ رکھنے پڑتے ہیں۔

انبالہ والا مست:

ایک روز کسی نے عرض کیا۔ کہ حضور! اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام اولیاء اللہ کو ایک لقب عنایت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ کا بھی تو کوئی لقب ہوگا۔ فرمایا۔ ہم مسکین جیسے آدمی ہیں۔ ہمارا لقب کیا پوچھتے ہو۔ پھر فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں تو ہمیں انبالہ والا مست کہتے ہیں۔ اور عرش کے اوپر ہمارا لقب حبیب الرحمٰن پکارا گیا ہے۔

منہ میں مٹھاس:

حضور شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وظیفہ پڑھتے ہوئے مزے لے لے کر لبوں کو ہلایا کرتے تھے۔ جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب نے آپ سے سوال کیا کہ کیا یہ کوئی خاص بات ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ کہ جب ہم درود شریف یا کوئی ذات صفات کا اسم پڑھتے ہیں۔ تو منہ میں گویا مٹھائی بھر جاتی ہے۔ اول سے آخر تک اس قدر کہ لب چسکے لئے جاتے ہیں۔

دو قسم کے طالب:

فرمایا۔ طالب دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک مرید دوسرے مراد۔ مراد وہ ہوتا ہے۔ جس کے دل میں ابتدا ہی سے جذب اور محبت اللہ تعالیٰ کی ہو۔ ایسے شخص کے لیے کسی کامل کے ہاتھ پر بیعت ہونا ضروری ہے۔ اور وہ بہت جلد واصل ہو کر اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ اور مرید وہ شخص ہوتا ہے۔ جس کے دل میں پہلے سے جذب اور محبت اللہ تعالیٰ کی نہ ہو۔ لیکن وہ کسی کامل کے ہاتھ پر بیعت ہو کر ذکر و شغل اور ریاضت و مجاہدہ کرتا ہوا بتدریج سلوک میں ترقی کرے۔ ایسا شخص بھی متقدمین اولیاء اللہ کے سے ریاضات و مجاہدات کرتا ہوا آخر میں واصل ہو کر محبوب بن جاتا ہے۔

سماع سے نفع:

ایک روز سماع کا ذکر ہو رہا تھا۔ فرمایا۔ جو لوگ صاحب حال ہوتے ہیں اور ان کو اس میں فنا ہو جاتی ہے ان کو سماع نفع دیتا ہے۔ اور جو صاحب حال نہیں ہوتے۔ ان کو وجد و سماع نفع نہیں دیتا۔

قبر اطہر کی مٹی:

جناب مولوی محبوب عالم صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ایک روز علماء کا مجمع تھا۔ اور اس مسئلہ کا ذکر تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں جو مٹی جسم اطہر سے لگی ہوئی ہے اس کا مرتبہ عرش معلےٰ سے زیادہ ہے۔ اور خود ذات اقدس کا مرتبہ تو عقل بشر سے آگے ہے۔ اس پر ایک مولوی صاحب نے عرض کیا۔ کہ حضور! اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اس کی وجہ یہ ہے۔

کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے جن وانس کو عبادت کے واسطے پیدا کیا ہے۔ اگر عبادت کے یہی معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تعریف کی جائے۔ تو اس میں تو اللہ تعالیٰ کی کل مخلوقات شامل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں میری جس قدر مخلوق ہے وہ سب میری تسبیح کرتی ہے۔ سو اس میں جن وانس بھی آ گئے۔ ان معنی کے لحاظ سے جن وانس کی کوئی خصوصیت نہ ہونی چاہیے تھی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ خصوصیت کے ساتھ فرماتا ہے کہ نہیں پیدا کیا میں نے جن وانس کو مگر واسطے عبادت کے۔ پس معلوم ہوا کہ اس جگہ عبادت کے معنی تسبیح و تہلیل نہیں۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ نہیں پیدا کیا میں نے جن وانس کو مگر واسطے معرفت کے۔ یعنی عبادت سے مراد معرفت والی عبادت ہے۔ اور مراتب قرب کا مدار معرفت پر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت جن و انس ہی کو عطا فرمائی ہے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں عقل و معرفت ایسے درجہ کمال پر تھی کہ نہ پہلے کسی میں ہوئی اور نہ آئندہ کسی میں ہوگی۔ اور مزید بریں یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حیات النبی ہیں۔ اور عرش معلیٰ کو معرفت نہیں۔ تو چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ عرش کیا تمام ملکوت السموات والارض سے بہت زیادہ ہے اور اس قدر ہے کہ کسی مخلوق کی وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت کی وجہ سے اس خاک پاک میں بھی حیات و معرفت آ گئی۔ کیونکہ جو حیات و معرفت والے کے ساتھ اتصال رکھے وہ بھی حیات و معرفت والا ہو جاتا ہے۔ اسی حیات و معرفت کے باعث اس خاک پاک کا مرتبہ عرش سے زیادہ ہو گیا۔ کیونکہ عرش میں معرفت نہیں۔ اور اس خاک میں بوجہ صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معرفت والی حیات آ گئی جیسا کہ ستون حنانہ میں آ گئی تھی۔ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان کر آپ کے فراق میں رویا تھا۔ اور جیسا کہ ابو جہل کے ہاتھ میں کنکروں میں وہی معرفت والی حیات آ گئی تھی۔ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان کر آپ کی رسالت کی شہادت دی تھی۔ اسی طرح اس خاک پاک میں معرفت آ گئی۔ اور مرتبہ کا مدار معرفت پر ہے۔ پس معرفت والے کا مرتبہ بے معرفت والے سے اعلیٰ کیوں نہ ہو۔ یہ سن کر تمام علماء حیران رہ گئے۔ اور بالاتفاق کہنے لگے کہ یہ علم لدنی کی نہریں ہیں۔

مسجد حرام کا قبلہ ہونا:

ایک شخص نے آپ سے عرض کیا۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا

بقعہ شریف عرش معلےٰ سے بدرجہا افضل واعلیٰ ہے۔ تو مسجود الیہ آپ کا مرقد مبارک کیوں نہ ہوا۔ مسجود الیہ افضل واولےٰ ہوتا ہے۔ اور شرط اولویت وافضلیت آپ کے بدن مطہر میں بدرجہ اتم ہے آپ نے تھوڑی دیر درود شریف پڑھ کر فرمایا۔ کہ کعبہ شریف کی دیواریں مسجود الیہا نہیں۔ بلکہ اس فضا کی جگہ تجلیات ذاتی کا مورد ہے۔ اس کے احاطہ کو سمت استقبال ہے۔ اور تجلیات اس ذات کی ہیں۔ جس پر حقیقت محمدیہ عاشق ہے۔ ذات مسجود اور تجلی مسجود الیہ ہے۔ اور اس تجلی کا مورد یہی کعبہ شریف کی جگہ ہے۔ اور حقائق میں حقیقت محمدیہ حقیقت کعبہ پر عاشق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اول ہی محبت اس قبلہ کی طرف تھی۔ چنانچہ کئی دفعہ آپ کو مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہوا۔ مگر مسجد حرام ہی کی طرف آپ کی محبت رہی۔ آخر الامر حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے موافق یہی قبلہ آپ کا بنا۔

مومن کی پختگی:

ایک روز فرمایا۔ کہ مومن اس وقت پختہ ہوتا ہے۔ جب اپنے عیوب کو خود دیکھے اور خود ان پر سزا مقرر کرے۔ اور ان کے نکالنے کے درپے رہے۔ جوں جوں وہ ان عیوب کو نکالتا رہے گا۔ امن بڑھتا جائے گا۔ اسی اثناء میں ایک عورت چھاج کے ساتھ اناج پچھوڑنے لگی۔ حضور اسے دیکھ کر فرمانے لگے۔ کہ چھلنی کی نسبت یہ بڑی اچھی چیز ہے۔ یہ اپنے میں سے خراب اور بری چیز کو نکالتا اور اچھی اور عمدہ کو رکھتا ہے۔ اور چھلنی اچھی اور نفیس چیز کو اپنے میں سے نکال دیتی اور بری کو اپنے اندر رکھتی ہے۔ فقیر کو ایسا ہونا چاہیے جیسا کہ یہ چھاج ہے۔ چنانچہ کسی فقیر کا مقولہ ہے۔

دوہرہ

چھانن کی مت چھوڑ دے چھاجن کی مت لے   سادھو کی مت چھما ہے جو چن چن گن کو لے

فکر کی اہمیت:

آپ فکر کو ذکر پر ترجیح دیتے اور فکر سے مراد مراقبہ لیا کرتے۔ فرماتے تھے کہ اگلے مقامات میں ذکر رہ جاتا ہے لسانی ہو یا قلبی۔ مگر فکر ساتھ ہی رہتا ہے۔ پھر فرماتے کہ فکر کو فکر سے

صفائی ہوتی ہے۔ ذکر کرنے کے بعد فکر کرے۔ پھر فرماتے

تسبیح مالا سب رہے انحد بھی رہ جائے سُرت سہاگن نامرے جوتن میں رہے سمائے

وضو کے بعد خوشبو:

جناب مولوی سراج الدین صاحب نے عرض کیا۔ کہ وضو کے بعد مجھے خوشبو مثل برنج پلاؤ آتی ہے۔ فرمایا کہ جیسے باسمتی کے چاول۔ پھر فرمایا۔ کہ جس طرح کلی (غنچہ) کی خوشبو اندر بند ہوتی ہے۔ جب وہ گل ہو کر کھلتا ہے۔ تو خوشبو آتی ہے۔ اسی طرح دل کے اندر نور و خوشبو سب کچھ ہے۔ تمہارا دل کثرت توجہ اور درود خوانی سے کھل گیا ہے۔ اس واسطے خوشبو آتی ہے۔

بابرکت غریبی:

بڑی بابرکت اور مبارک وہ غریبی ہے۔ جس کے ساتھ خدا کی یاد ہو۔ جس غریبی و تنگی کے ساتھ فسق وفجور یا کفر مل جائے۔ وہ خدا کے غضب کی نشانی ہے۔ کیونکہ دنیا تو گئی ہی تھی۔ دین بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔

قبولیت کی نشانی:

جب بندہ کوئی کلام پڑھتا یا دعا مانگتا ہے۔ تو جن لوگوں پر انکشاف نہیں۔ ان کے واسطے قبولیت کی نشانی یہ ہے کہ اسکے پڑھنے یا دعا مانگنے میں لذت آوے اور خوب دل لگے۔ جب یہ بات حاصل ہو۔ تو سمجھ لے کہ میری دعا قبول ہوگئی۔ یا قبول ہونے لگی ہے۔ اور جن لوگوں پر انکشاف ہوتا ہے۔ ان پر قبولیت کی تجلی جو لذت و سرور والی ہے وارد ہو جاتی ہے اور وہ یہ دیکھ کر سمجھ لیتے ہیں کہ ہماری دعا قبول ہوگئی۔

ولایت عیسوی وموسوی کا مفہوم:

ایک دن مولوی فضل الدین صاحب گجراتی مصنف کتاب انوار نعمانیہ حاضر خدمت تھے۔ انہوں نے سوال کیا۔ کہ ولایت عیسوی و موسوی کے کیا معنے ہیں۔ حالانکہ تمام اولیاء امت محمدیہ میں سے ہوتے ہیں۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ ولایت محمدی سب ولایتو

کی جامع ہے۔ کیونکہ جتنے کمالات اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کو فرداً فرداً عطا کئے ہیں۔ وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں جمع ہیں۔ پس اگر کسی ولی کو ولایت موسوی یا عیسوی حاصل ہے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فیض ہے۔ یہ مت سمجھو کہ جن اولیائے کرام پر نسبت محمدی کے سوا کوئی اور نسبت غالب ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت نہیں یا اور شریعت پر ہیں۔

توجہ کی کیفیت:

مولوی خلیل الرحمٰن صاحب ملفوظات توکلی میں لکھتے ہیں۔ کہ ایک دن میں نے عرض کیا۔ کہ اکثر اولیاء اللہ استغراق و بیخودی میں رہتے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام شامل مخلوقات رہتے ہیں۔ اس کا کیا سبب ہے۔ ارشاد ہوا۔ کہ اللہ جل جلالہ انبیاء علیہم السلام کو ایسی قدرت دیتا ہے کہ وہ باوجود اس کے کہ متوجہ الی الخلق رہیں اس وقت بھی کامل طور سے واصل جناب الٰہی رہیں۔ جس طرح ان کی توجہ مخلوق کی طرف کامل ہوتی ہے اسی طرح وہ حالت تعلیم امت میں خدا کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ مخلوق کی طرف متوجہ ہونا ان کو توجہ الی اللہ سے نہیں روکتا۔ برخلاف اولیاء اللہ کے کہ وہ جب جناب باری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس طرف سے بالکل بے خبر ہو جاتے ہیں۔

توکل کا مفہوم:

ایک روز کسی نے آپ سے توکل کے معنی پوچھے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ توکل کے یہ معنی ہیں کہ مخلوق سے غنا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہو۔ جب یہ بات پک جاتی ہے۔ تو توکل پختہ ہو جاتا ہے۔ پھر اگر اسباب بھی مہیا کرے۔ تو توکل کا ثواب مل جاتا ہے۔ اور توکل کے خلاف نہیں ہوتا خواہ کتنے ہی اسباب مہیا کرے۔ مگر فقیروں کا توکل اور ہی ہے۔ ان کا توکل اسباب کو توڑتا رہتا ہے۔ جہاں کوئی سبب پیدا ہوا۔ انہوں نے فوراً اس کو توڑا۔ تب ان کو توکل پختہ ہوتا ہے۔ ماسوا سے امیدیں منقطع ہو کر ذات پر لگ جاتی ہیں۔

معصوم اور محفوظ:

ایک روز فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ محفوظ۔ معصوم

کے یہ معنی ہیں کہ گناہ کی طاقت ان کے اندر رکھی ہی نہیں جاتی۔ اور محفوظ کے یہ معنی ہیں۔ کہ گناہ کی طاقت ان کے اندر ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کر دیتا ہے اور حفاظت الٰہی ان کے شامل حال ہو جاتی ہے۔ پھر ان سے ارادتاً کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ صادر نہیں ہوتا۔

ابدالوں کا اڑنا:

ایک روز ابدالوں کا ذکر آیا۔ لوگوں نے کہا۔ کہتے ہیں کہ ابدال اڑا کرتے ہیں۔ جب ان کے پر نہیں۔ تو وہ اڑتے کیسے ہیں۔ بغیر پر کے تو کوئی اڑ نہیں سکتا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں ہم نے بھی دیکھا ہے۔ ایک دفعہ دہرہ دون کے پہاڑ سے ابدال ہمارے پاس آیا۔ وہ ہوا میں ہاتھوں کو ہلاتا ہوا اڑا چلا آتا تھا۔ جس طرح لوگ دریا میں تیرا کرتے ہیں۔ ابدالوں کا اڑنا سچ ہے۔ ہم نے یہ اپنی آنکھ سے دیکھا ہے۔ اور وہ مدت تک ہمارے پاس آتا رہا۔

وحدت الوجود و شہود:

جناب مولوی سراج الدین صاحب لکھتے ہیں کہ کسی نے مرشد برحق سے سوال کیا۔ کہ وحدت وجود و شہود میں کونسی حق ہے۔ فرمایا کہ دونوں حق پر ہیں۔ اکثر اولیاء اللہ مثل خواجہ بزرگ اجمیری اور خواجہ نقشبند بخاری اور مولانا جامی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ وجودی گزرے ہیں۔ اور شیخ ابوالحسن خرقانی اور علاء الدولہ سمنانی اور مجدد الف ثانی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ شہودی ہیں۔ اگرچہ فقیر پر بھی حالت وحدت وجود طاری ہی ہے۔ مگر ساڈا (ہمارا) مشرب شہودی ہے۔ یہ دونوں حال ہیں نہ محض قال۔ اس کی مثال یہ فرمائی کہ اگر کوئی شخص سبز یا شربتی عینک آنکھوں پر لگائے۔ تو اسے تمام چیزیں سبز یا شربتی نظر آئیں گی حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ جب وہ عینک آنکھوں پر سے اتار دی جائے۔ تو وہی معاملہ ہے۔ اسی طرح اولیاء کو غلبہ حال میں کثرت (موجودات خارجیہ) نظر نہیں آتی۔ وحدت ہی نظر آتی ہے۔ دیگر مثال یہ بیان فرمائی کہ دن کے وقت آفتاب کی شعاع کے سامنے ستارے نظر نہیں آتے حالانکہ موجود ہیں۔ اسی طرح اولیاء اللہ کو آفتاب الٰہی کے نور کے سامنے کثرت نظر نہیں آتی۔ کامل نظر لوگ وہ ہیں۔ جو کثرت میں وحدت کو دیکھیں جیسا کہ کوئی شخص دن میں آفتاب کو بھی دیکھے اور ستاروں کو بھی۔ فرمایا کہ بعض اولیاء عکس کو عین سمجھتے ہیں۔ حالانکہ عکس عین نہیں ہے۔ چنانچہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

عکس روئے تو در آئینہ جام افتاد   عارف از پر توئے در طمع خام افتاد

فرمایا کہ حافظ شیرازی بھی شہودی تھے۔ کیونکہ وہ اس شعر میں فرماتے ہیں۔ کہ خدا کے نور کا عکس جب عارف کے دل کے پیالہ میں چمکا۔ تو اس نے جانا کہ میں نے اصل کا مشاہدہ کیا حالانکہ وہ عکس ہے۔

فرمایا کہ وحدت وجود والے اس دید میں معذور ہیں۔ مجنون عامری کو دیکھئے کہ ایک سانولی لیلےٰ کے عشق میں ایسا مستغرق ہوا کہ ہر شخص کو حتےٰ کہ اپنے والد کو بھی لیلے ہی گمان کرتا تھا ۔غرض اولیاء وجودی عکس کو عین سمجھتے ہیں۔ مگر وہ معذور ہیں۔ اور اولیاء شہودی عکس کو عکس جانتے ہیں۔ اور یہی حق ہے۔ اور یہی تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا مشرب رہا ہے۔

شعر کا مفہوم:

ایک بار قصبہ شاہ آباد میں جناب مولوی سراج الدین صاحب نے حضور علیہ الرحمۃ سے پوچھا کہ خواجہ بزرگ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس شعر کا کیا مطلب ہے۔

من دُرے بودم نہاں در قعرِ بحرِ لم یزل   عشق غواصانہ ام آورد بیراں زاں محل

فرمایا۔ درے سے مراد روح ہے۔ اور بحرِ لم یزل سے مراد دریائے تجلی صفات ہے۔ عشق کا وہاں سے لانا اشارہ ہے طرف حدیث قدسی کنت کنز امخفیا فاجبت اعرف فحلقت الخلق لاعرف ۔مراد خواجہ بزرگ کی یہ ہے کہ میری روح (ملکہ سب روحیں) تجلی صفات کے دریا میں مخفی تھی۔ خدا کو جو محبت ظہور ہوئی۔ تو وہ حب ہم کو وہاں سے نکال لائی۔

(29) جناب مولوی سراج الدین صاحب بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ میں حضرت میاں صاحب قبلہ کے ہمراہ چھاونی انبالہ میں تھا۔ ایک طالب علم نے امتحاناً آپ سے دریافت کیا۔ کہ اس شعر مولانا کے کیا معنی ہیں؟

جملہ معشوق است عاشق پردۂ   زندہ معشوق است عاشق مردۂ

فرمایا کہ مولوی سے پوچھ۔ میں نے عذر کیا۔ تو آپ کو جوش آ گیا۔ فرمایا کہ جملہ یعنی کل والا (خدا تعالیٰ) معشوق ہے اور کثرت جو عاشق ہے حجاب ہے وہ معشوق زندہ ہے کہ

الحی القیوم اُس کی صفت ہے اور عاشق یعنی کثرت فانی ہے۔

(30) جناب مولوی خلیل الرحمٰن صاحب نے لکھا ہے۔ کہ ایک دن ارشاد ہوا۔ کہ اپنے کمال پر نظر مت کرو۔ بلکہ یہ سمجھو کہ جو کچھ کمال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ پھر یہ حکایت بیان فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے ایک بزرگ کو حکم دیا۔ کہ جو چیز سب میں بری ہو۔ وہ ہمارے پاس لاؤ۔ یہ اس تلاش میں چلے۔ اور ان کو آدمی کا پاخانہ سب سے برا معلوم ہوا۔ چنانچہ گندگی اٹھا کر لے چلے اور چاہا کہ جناب باری میں پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس گندگی کو زبان عطا فرمائی۔ گندگی بولی۔ صاحب میں وہ چیز ہوں کہ جس کو آپ بازار سے گراں قیمت پر خرید کر کپڑے میں باندھ سر پر رکھ کر لائے۔ پھر اسے پیسا پکایا۔ نہایت رغبت سے مزے لے لے کر کھایا۔ لیکن آپ کے پیٹ میں رہنے سے میرا یہ حال ہو گیا کہ اب آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ حضرت! یہ تو آپ کی صحبت کا اثر ہے۔ ورنہ میں تو وہی ہوں۔ یہ سن کر وہ بزرگ نہایت شرمندہ ہوئے اور جناب باری عزاسمہ میں عرض کیا۔ کہ یا اللہ! مجھ سے زیادہ بری چیز دنیا میں کوئی نہیں۔ حضور کا یہ بیان کچھ ایسا تھا۔ کہ حاضرین جلسہ زار زار روتے تھے۔ ہر شخص پر رقت طاری تھی۔

جلالی اور جمالی:

جناب مولوی سراج الدین صاحب نے عرض کیا۔ کہ اللّٰہ الصّمد کے ورد کے وقت نور مثلِ قرصِ خورشید نظر آتا ہے اور بوقت درود خوانی مثل قمر۔ فرمایا کہ اللّٰہ الصّمد جلالی ہے اور شمس بھی جلالی۔ اور درود شریف جمالی اور نور قمر بھی جمالی ہے۔ لہٰذا مناسب نور نظر آتا ہے۔

شعر کے معنی:

مولانا روم فرماتے ہیں۔

ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام
ہفتصد و ہفتاد قالب دیدہ ام

بقول جناب مولوی سراج الدین صاحب حضور نے اس شعر کے حل میں فرمایا۔ کہ اس شعر کے ظاہر معنے سے جو لوگ تناسخ نکالتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ بندہ مقام فنا میں

آفتاب الٰہی کے سامنے گیا اور محو ہو گیا جیسا کہ سایہ آفتاب کے سامنے ہوا تو گم ہوا۔ اور جب آفتاب سے ذرا اوٹ میں ہوا۔ تو وجود پکڑا۔ اسی طرح مولانا فرماتے ہیں۔ کہ ہمارا وجود مقام فنا میں اکثر بار معدوم ہوا اور پھر موجود ہوا مقصد سے مراد کثرت ہے کہ نہ کہ عددِ معین۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ نے ارشاد الطالبین میں ایسا لکھا ہے۔ کہ ولایت صغریٰ میں سالک کی سیر ظلال صفات میں ہوتی ہے۔ اس سیر میں صوفی جس ظل پر پہنچتا ہے۔ اپنے تئیں اس میں فانی و مستہلک اور اس کے وجود سے باقی پاتا ہے۔ بقول حضرت قاضی صاحب علیہ الرحمۃ مولانا روم کے شعر زیر بحث کے یہی معنی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شعر کی تحقیق:

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب انبھوی لکھتے ہیں۔ کہ ایک روز فرمانے لگے۔ کہ مولوی! حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی طرف اس شعر کو منسوب کرتے ہیں۔

پنجہ در پنجہ خدا داریم ماچہ پروائے مصطفےٰ داریم

ہم یقیناً نہیں کہہ سکتے کہ یہ شعر حضرت مجدد قدس سرہ کا ہے۔ بالفرض اگر ہو۔ تو مولوی! اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ ہم خدا کے ساتھ خاص تقرب رکھتے ہیں۔ مگر ہماری کیا حقیقت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت اور امداد کی ہر وقت ضرورت ہے۔ ماچہ کے معنے ہیں ہم ہیچ اور ناچیز ہیں۔ پروائے مصطفےٰ داریم۔ یعنی حضور ہی کا صدقہ ہے۔ جو کچھ قرب الٰہی ہمیں حاصل ہے وہ حضور ہی کے طفیل سے ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور! مطلب صاف ہو گیا۔ آپ خوش ہوئے۔

حیرت کی کیفیت:

ایک دفعہ جناب مولوی سراج الدین صاحب نے سوال کیا۔ کہ مولانا نیاز احمد چشتی بریلوی کے اس شعر کے کیا معنی ہیں؟

واہ گرو نے خوب سمجھائی سرسوں پھولی آنکھوں میں

فرمایا کہ اس کے دو معنے ہیں۔ ایک ابتدائی اور وہ یہ کہ مرشد نے ایسا ذکر و شغل بتایا۔ جس سے لطیفہ قلب کا نور زرد نظر آنے لگا۔ دوسرے انتہائی معنی یہ ہیں کہ اس سے حیرت مراد ہے ۔ یعنی انتہائی مقام میں ایسا نور بے رنگ محیط نظر آیا کہ حیرت ہوگئی جیسا کہ سرسوں کے پھول دیکھنے سے حیرت ہوتی ہے۔

دونوں میں تطبیق:

آپ سے دریافت کیا گیا کہ ان دونوں میں تطبیق کس طرح ہے۔

(1) مَنْ عَرَفَ اللهَ كُلَّ لِسَانُهُ۔

جس نے اللہ کو پہچانا۔ اس کی زبان گونگی ہوگئی۔

(2) مَنْ عَرَفَ اللهَ طَالَ لِسَانُهُ۔

جس نے اللہ کو پہچانا۔ اس کی زبان دراز ہوگی۔

فرمایا کہ درازی زبان یعنی بہت بولنا اور اسرار کا ظاہر کرنا تو تجلی (ظلال) صفات میں ہے۔ جب تک سالک کو ذات تک وصول نہ ہوگا۔ بہت بولے گا۔ اور افشائے راز کرے گا۔ گنگئی زبان اور کم بولنا اور اسرار کا نہ کھولنا تجلی ذات میں ہے۔ یعنی جس کو ذات کی خبر ہوئی وہ مقام جہل و حیرت میں ہوتا ہے۔ کچھ کہہ نہیں سکتا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے۔ کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ پس درازی لسان در ظلال بود و گنگی زبان فوق مراتب ظلال است فعل بود یا صفت اسم بود یا مسمے۔ (مکتوبات شریف۔ دفتر دوم۔ مکتوب 58)۔ مولانا نظامی فرماتے ہیں۔

ستانی زباں از رقیبانِ راز   کہ رازت بمردم نگویند باز

افضل اور عمدہ طریقہ:

ایک روز کسی شخص نے ذکر کیا۔ کہ جن لوگوں کا کھانا پینا چھوٹ گیا ہو۔ وہ بہت ہی اعلیٰ درجہ والے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ جب وہ تجلی جو ملائکہ پر وارد ہوتی ہے کثرت عبادت کی وجہ سے فقیر پر نازل ہوجاتی ہے۔ تو اس کی غذا وہی نور ہوجاتا ہے جو ملائکہ کی غذا ہے اور اسے کھانا

کھانے کی ضرورت نہیں رہتی۔ صفات ملکوت اُس میں آ جاتی ہیں۔ اس سے پہلے کوئی فقیر کھانے کو نہیں چھوڑ سکتا۔ مگر افضل اور عمدہ طریقہ یہی ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور صحابہ کرام اولیاء اللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نہ چھوڑے۔ کیونکہ ان سب نے کھایا بھی ہے اور عبادت بھی کی ہے۔

شعر کا مفہوم:

جناب قاری سید اکرام حسین صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ کمترین نے حضرت صاحب سے حضرت بوعلی قلندر رحمۃ اللہ پانی پتی کے اس شعر کا مطلب دریافت کیا۔

انبیا و اولیا یک جان و تن ذاتِ شاں باشد خدا بشنوز من

یہ سن کر اول تو یہ فرمایا۔ کہ میاں! قلندر کے کلام کو میں کیا سمجھ سکتا ہوں۔ قلندر کے کلام کو تو کوئی قلندر ہی سمجھے۔ اس کے بعد دو منٹ سرنگوں ہو کر زبان مبارک سے ارشاد فرمایا۔ کہ میری سمجھ میں تو اس کا مطلب یہ آتا ہے۔ کہ اگرچہ بظاہر انبیاء و اولیا ایک جان نہیں ہو سکتے مگر باعتبار حقیقت اصلی کے عالم حقیقت میں انبیاء و اولیاء ایک ہی جان و تن تھے۔ ہاں البتہ خدا کے علم وارادہ میں بلحاظ مراتب ضرور فرق تھا۔ کہ میں ان کو انبیاء بناؤں گا اور ان کو اولیا کروں گا۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے لفظ کن فرمایا۔ تو بتدریج ظہور میں آتا رہا۔ جو کچھ قیامت تک ظہور میں آتا رہے گا۔ وہ سب کچھ اسی ایک کلی کے افراد ہوں گے۔ رہا دوسرے مصرع میں جو قلندر صاحب نے انبیاء و اولیا کی ذات کی بوجہ مغلوب الحال ہونے کے خدا فرمایا ہے۔ اس کو ہم بلحاظ ادب غلط تو نہیں کہہ سکتے۔ مگر ہاں سکرت کا کلام ہے۔ جس کی تاویل ہو سکتی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مرتبہ جمع میں بحالت سکرات انہوں نے عکس کو عین کہہ دیا ہے۔ ورنہ خدا اس سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ تک رسائی:

ایک روز ارشاد فرمایا۔ کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے۔ کہ میں خدا تعالیٰ تک پہنچ گیا۔ مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی طناب تک نہ پہنچ سکا۔ اس پر ایک عالم نے سوال کیا۔ کہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے

بھی آ گئے ہیں پ فرمایا جب اللہ تعالیٰ کی صفت علمی نے ظہور فرمایا۔ تو نور کا بے تھاہ دریا موجیں مارنے لگا۔ پھر اسی صفت علمی کی تجلی کے نور سے تمام انبیاء علیہم السلام کی پاک روحیں پیدا کی گئیں۔ اس نور کے بے تھام دریا کا نام حقیقت محمد یہ [1] ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ سے یہی حقیقت محمد یہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے قرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بھی یہی حقیقت محمد یہ ہے۔ جس کا نام تعین اول ہے۔ یہاں سوائے ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ولی یا امتی کا تو کیا ذکر انبیائے مرسلین کا بھی گزر نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں سب سے اعلیٰ مقام یہی ہے۔ باقی رہا اللہ تعالیٰ کا پانا اور اس کی ذات کا وصل ہونا۔ سو اس کی حقیقت یوں ہے۔ کہ عرش کے اوپر عالم امر میں اللہ تعالیٰ کے قرب میں ہر انسان کی ایک حقیقت موجود ہے۔ اور ہر شخص کو اپنے اپنے درجہ اور استعداد کے موافق اسی حقیقت کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ معیت حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ ۔ یعنے اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں کہیں ہو۔ پس ہر ولی اپنی اسی حقیقت اور معیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے واصل ہوتا ہے۔ مگر حقیقت محمد یہ و احمد یہ جو مقامات قرب میں سب سے اعلیٰ مقام اور بہت ہی دور ہے اس مقام کو حاصل کر کے واصل ہونا بہت محال ہے۔ اس مقام میں انبیاء علیہم السلام کا ہی جب گذر نہیں۔ تو پھر اولیاء اللہ اور دیگر امتی لوگوں کا کیا ذکر ہے کہ وہاں پہنچ سکیں۔

دُعا کی کیفیت:

جناب مولوی سراج الدین صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ایک روز میں نے حضرت صاحب کو نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد میں نے یوں دعا مانگی۔ اَللّٰهُمَّ حَدِّقْ قَلْبِىْ بِنَارِ عِشْقِكَ۔ آپ نے فرمایا۔ مولوی! آج تو نے چنگی (اچھی) دعا مانگی۔ میں نے عرض کیا۔ کہ آپ نے کیونکر جانا۔ فرمایا۔ کہ تم نے یہی کہا تھا۔ کہ اے میرا دل عشق کی آگ میں ساڑ دے (جلا دے)۔ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ العلم نکتة۔

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر پہلے ظاہر ہوا کہ حقیقت محمدی صفت العلم ہے۔ پھر ظاہر ہوا کہ شان العلم ہے۔ پھر شان جامعہ۔ بعد ازاں ظاہر ہوا کہ تعین اول تعین وجودی ہے۔ سب سے آخر منکشف ہوا کہ تعین اول تعین حبی ہے۔ جس پر حدیث قدسی کنت کنزاً مخفیاً شاہد ہے۔

صاحب کمال:

(40) ایک روز کسی نے عرض کیا۔ حضور! فنافی الشیخ کس قدر فائدہ دیتا ہے۔ فرمایا۔

دوہرہ

پیر نگر کو جائکے نبی نگر نوں جا
نبی نگر میں بیٹھ کے درشن یار کا پا

اور ارشاد فرمایا۔ کہ جلدی فائدہ تو یہی دیتا ہے۔ اور یہ بہت آسان اور جلدی واصل ہونے کا طریقہ ہے۔ کیونکہ جب پیشوا کا تصور پختہ ہو جاتا ہے۔ تو کمالات اور تجلیات جو پیشوا پر بالا صادقہ وارد ہیں۔ وہ بوجہ اس کی محبت کے بالتبع اس پر بھی وارد ہونے لگتی ہیں۔ اور پیشوا کے ساتھ ساتھ اس کی بھی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ تصور کو یہاں تک پکانا چاہیے۔ کہ تمام حرکات وسکنات نشست و برخاست غرض ہر فعل میں پیشوا کی ادائیں آجائیں اور آخر کار پیشوا کی صورت کے مشابہ ہو جائے۔ اسی سے پھر آگے کا رستہ کھل جاتا ہے۔

صاحب کمال:

ایک دفعہ ایک صاجزادہ صاحب (شاہ ابوالخیر دہلوی ؟) حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد میں سے چھاؤنی انبالہ تشریف لائے۔ اور حضور علیہ الرحمۃ کو بلایا۔ آپ بپاس ادبِ مرشداں پیدل ان کی غدمت میں تشریف لے گئے۔ صاجزادہ صاحب نے آپ سے پوچھا۔ کہ شاہ صاحب! یہ جو ایک نور کا دریا ہوتا ہے: جس میں تمام زمین اور جہان کی تمام اشیاء ڈوبی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ کیا اس تک آپ کی رسائی ہو چکی ہے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ میاں صاجزادے! یہ تو عنصری تجلی عالم خلق کی ہے۔ جو اس فقیر پر اول ہی اول کھل چکی تھی۔ پوچھنا ہو۔ تو عرش سے اوپر عالم امر کی کوئی بات دریافت فرمائیے۔ پھر آپ نے مقامات بیان کرنے شروع کئے۔ صاجزادہ صاحب نے سن کر دو نفل شکریہ کے ادا کئے اور کہا کہ شکر ہے اس مالک کا کہ ہمارے باپ دادوں کے سلسلہ میں ایسے صاحب کمال موجود ہیں۔

ایمان اور تندرستی:

فرمایا۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے احسانوں کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ سب سے بڑا احسان

ایمان اور تندرستی ہے۔ جس کی قدر انسان کو معلوم نہیں۔ اور مفت اپنی عمر عزیز کو کھوتا ہے۔

کلمہ توحید کی برکت:

ایک دن ارشاد ہوا۔ کہ جب ہم کلمہ توحید پڑھتے ہیں۔ تو شیطان بھاگتا معلوم ہوتا ہے۔

دنیا کی یاد:

فرمایا۔ کہ ایک درویش قبرستان میں گئے۔ جس وقت دنیا داروں کی قبروں سے گزرے۔ تو ان کو "ہائے ہائے دنیا" کی آواز آئی۔ جب فقراء اور شہداء کے مزاروں میں سے گزر ہوا۔ تو وہاں بھی یہی صدا بلند تھی۔ تعجب ہوا کہ یہ کیا بات ہے۔ خدا نے ان کو بذریعہ الہام بتایا۔ کہ دنیا دار تو اس واسطے دنیا کو روتے ہیں۔ کہ اس مردار نے ان کو کسی کام کا نہ چھوڑا۔ اور فقراو صلحا دنیا کو اس واسطے یاد کرتے ہیں۔ کہ افسوس چندے اور دنیا میں رہتے تو کچھ اور کر لیتے۔

مومن کی نشانی:

خطرہ سے دل پلید ہوتا ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ اس کے زائل ہونے کی ترکیب یہ ہے۔ کہ اولیاء اللہ کی صحبت حاصل کرے اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو۔ پیشوا کے تصور سے بھی زائل ہو جاتا ہے اور دعا مانگنے سے بھی۔ خطرہ ایمان والے کو آتا ہے۔ بے ایمان کو کبھی نہیں آتا۔ اور خطرہ کو برا جاننا بھی مومن کی نشانی ہے۔

فقیر کے لیے لازم:

فقیر پر لازم ہے کہ جو کام کرے۔ استقامت کے ساتھ کرے۔ ایک استقامت سو کرامت سے بہتر ہے۔ جب خدا تعالیٰ کو یاد کرنے لگے۔ تو جب تک واصل باللہ نہ ہوئے۔ کسی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ فقیر پر صبر حرام ہے اور حرص فرض۔ صبر کے معنی ہیں۔ ٹھہرنا ایک تجلی پر ٹھہرنا مذموم ہے۔ یہاں حرص اور طمع ہی فرض ہے۔ ہمیشہ خدا تعالیٰ کے دیدار اور وصل کی حرص بڑھاتا رہے اور محبت الٰہی کا ہر وقت گرویدہ رہے۔

سن اے طالب مولے والے دل مولے دی ہوویں   دم دم قدم اگیرے رکھیں ٹھہر نہ کتے کھلوویں

استغفار کا مفہوم:

ایک روز استغفار کے معنے کے بارے میں ذکر تھا۔ کسی نے عرض کیا۔ حضور! اولیاء اللہ جب گناہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اور ذکر و شغل کرتے کرتے اللہ تعالیٰ کی حفاظت ان پر وارد ہو جاتی ہے ۔پھر وہ جو استغفار کرتے ہیں۔ کون سے گناہ کرتے ہیں۔ فرمایا۔ ہر مقام میں فقیر کا استغفار علیحدہ ہوتا ہے۔ فقیر شروع شروع میں جب اللہ کی یاد میں مشغول ہوتا ہے۔ تو اس وقت تو وہ اپنے گزشتہ گناہوں سے استغفار کرتا ہے۔ پھر جو آگے ترقی کرتا ہے۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں کمی واقع ہونے پر استغفار کرتا ہے۔ پھر اس سے بھی جب ترقی کرتا ہے۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں کمی واقع ہونے پر استغفار کرتا ہے۔ پھر اس سے بھی جب ترقی کرتا ہے۔ تو اپنے قصور ہمت پر استغفار پڑھتا ہے۔ آخر اسی طرح ہر مقام میں علیحدہ علیحدہ استغفار پڑھتا ہوا جب مقام مشاہدہ میں پہنچتا ہے۔ اور اس کو اللہ جل شانہ کا دیدار اور وصل ذات الٰہی ہوتا ہے۔ اُس وقت اس بات پر استغفار پڑھتا ہے' کہ خداوند میرے اندر اتنی استعداد نہ تھی کہ میں اپنی ہمت اور کوشش سے تیرا دیدار اور تیری ذات کا وصل حاصل کرتا۔ اُس وقت استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ ۔ کے یہ معنے ہوتے ہیں۔ کہ خداوند میں تیرے دیدار اور تیری ذات کے وصل کے حصول کو اپنی استعداد اور ہمت و کوشش کی طرف منسوب کرنے سے توبہ کرتا ہوں اور استغفار پڑھتا ہوں۔ یہ جو کچھ ہوا۔ تیرے ہی فضل سے ہوا۔ اور واقعی بات بھی یہی ہے۔ کہ بندہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کر سکتا۔ بلکہ پیر کامل ہو اور رحمت الٰہی شامل حال ہو۔ تو یہ مراتب اس کو ملتے ہیں۔ ورنہ بندہ کی اپنی استعداد اور ہمت و کوشش سے کچھ بھی نہیں بن سکتا۔ اور اس کو کسی حال اور کسی مقام میں استغفار سے چارہ نہیں۔

درود شریف کی برکت:

ایک روز فرمایا کہ اکثر بندہ جس وقت عبادت و یاد خدا میں مشغول ہوتا ہے۔ تو اس پر فتنے اور ابتلاء بکثرت وارد ہوتے ہیں۔ درود شریف کا بڑا عمدہ خاصہ یہ ہے کہ اس کے ورد رکھنے والے پر کوئی فتنہ اور ابتلاء نہیں آتا۔ اور حفاظت الٰہی شامل حال ہو جاتی ہے۔

مجذوب کی اقسام:

ایک روز مجذوبوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ کسی نے عرض کیا۔ کہ حضور! مجذوب بھی بہت ہی اچھے ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ دنیا سے کنارہ کر جاتے ہیں اور کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ان کے عالی مقام ہوں گے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ مجذوب کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ جو خلل دماغ کی وجہ سے بیہوش ہو جاتے ہیں اور دنیا و مافیہا کی انہیں کچھ خبر نہیں رہتی۔ دوسرے وہ جو صرف روٹی کے واسطے مجذوب بن جاتے ہیں۔ ان دونوں قسموں کا کوئی مرتبہ و مقام نہیں ہوتا۔ البتہ تیسرا گروہ مجذوبوں کا ہے جو خدا تعالیٰ کی یاد یا ذکر میں مستغرق ہو کر بیہوش ہو جاتے ہیں۔ وہ اصلی مجذوب ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بھی بڑے سے بڑا مجذوب ولایت صغریٰ ہی میں رہتا ہے۔ خواہ کتنی ہی کوشش کرے ولایت کبرے تک نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ ایسے مجذوبوں کی توجہ بڑی تیز ہوتی ہے۔ ایک ہی توجہ میں دوسرے کو اپنے مقام پر پہنچا دیتے ہیں۔ اس سے زیادہ نہیں کر سکتے۔

درویشی کا مفہوم:

درویشی تو اس کا نام ہے کہ ہر فعل اور قول اور حرکت اور سکون رضائے الٰہی میں ہو۔ اور دل میں یہ تصور ٹھہرائے کہ اس حیات میں میرا مقصود خدا تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔ جس طور پر مولا راضی ہو۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشادات تو اور بھی بکثرت ہیں۔ مگر نظر براختصار ان کا یہیں ختم کر دینا مناسب معلوم ہوا۔

❁❁❁

دسواں باب

خلفاء توکلیہ کے حالات

حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بہت سے خلیفے تھے۔ ان میں سے جن کے کچھ حالات مجھے معلوم ہوئے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

1۔ خلیفہ امیر اللہ شاہ صاحب

آپ اعظم واشہر واکبر خلفاء تھے۔ ذات نداف۔ صورت وسیرت میں بعینہ حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ کے مشابہ تھے۔ چونکہ فانی الشیخ کے مقام میں تھے۔ اس لیے آپ کی صورت حضرت صاحب سے بہت ملتی تھی۔ جو آپ کو دیکھتا تھا۔ کہتا تھا۔ کہ گویا میاں صاحب ہیں۔ آپ بوڑیہ کے صاحب ولایت اور تہجد گزار تھے۔ مراقبہ کی ایسی مشق تھی کہ صبح سے بیٹھ کر گیارہ بجے اٹھتے تھے۔ سکرت اور استغراق مرشد پاک کے مشابہ تھے۔ درود شریف اور اللہ الصمد کثرت سے پڑھتے تھے۔ توجہ گرم تھی۔ ہتنی کنڈ میں حضرت میاں صاحب کے ساتھ مجاہدہ کیا۔ میاں صاحب قبلہ فرماتے تھے۔ کہ جب امیر اللہ شاہ بیعت ہوا۔ تو ہم نے اس سے کہا۔ کہ دنیا مطلوب ہے یا عقبیٰ۔ تو اس نے کہا کہ مجھے آخرت منظور ہے۔ سو اللہ تعالیٰ نے اسے درویشی دی۔

آپ سخی خلیق بے طمع تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ بوڑیہ میں جو رئیس سکھ رہتا تھا اس کی لڑکی پر جن کا اثر تھا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ میں آپ کے لیے پالکی اور سو روپے نقد بھیجوں۔ آپ ذرا میری لڑکی پر دم کر جائیں۔ آپ نے عذر کیا اور ہرگز نہ گئے۔ اور کہلا بھیجا کہ پانی دم کرا کر لے جاؤ۔ فرمایا کہ پیر کے حکم سے یہاں بیٹھا ہوں۔ اگر تو ستائے گا۔ تو کہیں چلا جاؤں گا۔

حقیقت قرآن کا فیض:

ذکر خیر میں بعنوان نقل صحیح لکھا ہے۔ کہ خلیفہ امیر اللہ شاہ صاحب جو محض ان پڑھ تھے ایک مرتبہ رمضان شریف میں اپنے وطن قصبہ بوڑیہ میں ایک حافظ سے قرآن شریف سن رہے تھے۔ حافظ نے بھول کر ایک آیت چھوڑ دی۔ خلیفہ امیر اللہ شاہ نے وہ آیت اسے بتادی۔ وہ صحیح کر کے آگے پڑھتا چلا گیا۔ ایک مقام پر پھر اسے متشابہ لگا۔ خلیفہ صاحب نے وہ بھی بتادیا۔ جب نماز سے فارغ ہو چکے۔ تو لوگوں نے پوچھا۔ یا حضرت آپ تو پڑھے ہوئے نہیں۔ پھر یہ آیتیں کیسے بتادیں۔ انہوں نے سکوت کیا۔ اور اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ لوگوں میں اس بات کا چرچا ہوا۔ کسی نے حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ سے بھی عرض کر دیا۔ آپ نے خلیفہ صاحب کو بلایا۔ اور دریافت فرمایا۔ کہ امیر اللہ شاہ! وہ حافظ والی بات کیونکر تھی۔ وہ ڈر گئے کہ مبادا حضور ناراض ہوں۔ حضرت صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ نہیں ہم تم کو کچھ نہیں کہیں گے۔ تم اطمینان کے ساتھ وہ بات سناؤ۔ تب انہوں نے عرض کیا کہ حضور! میں حسب عادت نماز میں حقیقت قرآن کا فیض جو لوح محفوظ پر پڑ رہا تھا اپنے دل پر لینے لگا تھا۔ آیتوں کے الگ الگ ٹکڑے میں دیکھ رہا تھا۔ کہ حافظ پر اور مجھ پر وارد ہو رہے ہیں۔ حافظ نے ایک آیت نہیں پڑھی تھی۔ اس کا ٹکڑا میرے سامنے تو آیا اور اس حافظ کی طرف نہ گیا۔ میں اس سے سمجھ گیا کہ حافظ یہ آیت بھول گیا ہے۔ چنانچہ میں نے اس ٹکڑے کو دیکھ کر بتادیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہ بات ٹھیک ہے۔ لیکن تم نے تو حقیقت قرآن کا مراقبہ کیا۔ تب یہ بات نصیب ہوئی۔ اور ہمارا ڈیرہ ہر وقت وہیں رہتا ہے۔ پر ہم نے آج تک یہ بھید ظاہر ہونے نہیں دیا۔ اور تو نے اتنی سی بات کا ہی شور مچادیا۔ فقیر کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے فقیر فتنہ خلق ہو جاتا ہے۔ اعمال نیک کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں لگا رہے اور ایسی باتوں کو چھپائے رکھے۔ خبر نہیں قیامت کے دن کیا معاملہ پیش آئے۔ بندہ کو ہمیشہ خوف و رجا کے درمیان رہنا چاہیے۔ نفس و شیطان دو دشمن ساتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھے۔ اور مغفرت کی دعا کرتا رہے۔ اندیشہ ہے کہ شیطان دشمن کا کہیں داؤ نہ چل جائے۔ کیونکہ اگر ایسی باتوں پر فخر آجائے۔ تو خطرہ ہو جاتا ہے۔ انتہے۔

مرشد کی خفگی:

آخر حیات میں حضرت میاں صاحب قبلہ خلیفہ صاحب سے ناراض ہو گئے۔ جس کا قصہ جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب انبہٹوی نے یوں لکھا ہے۔ تجربہ سے یہ امر ثابت ہوا ہے۔ کہ جس مرید یا مستفید سے کسی وجہ سے حضرت سائیں صاحب کے دل میں کشیدگی واقع ہوتی تھی۔ اس کی تمام کیفیات سلب ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ اس احقر نے تین چار خلیفوں کی یہی حالت دیکھی۔ خلیفہ امیر اللہ شاہ صاحب حضرت کے خلیفہ اول بلکہ بقول شاہ صاحب مرتبہ میں ایک ہی تھے۔ آپ کی حرکات وسکنات حضرت سائیں صاحب کے مشابہ ہو گئی تھیں۔ رنگت میں ذرا فرق تھا۔ ورنہ پیچھے سے چال ڈھال سے یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ شاہ صاحب قدس سرہ جا رہے ہیں یا بیٹھے ہیں۔ خلیفہ صاحب کو نکاح کی ضرورت ہوئی۔ حضرت سائیں صاحب کے گھر میں ایک عورت رہتی تھی۔ حضرات معتقدین نے اس عورت سے نکاح کی تجویز کر دی۔ دونوں باہم رضامند ہو گئے۔ طلب اجازت پر سائیں صاحب کو جب علم ہوا۔ آپ نے خلیفہ صاحب کو منع کیا۔ مگر مسجد میں میانجیو عبدالرحیم صاحب جو آپ کے چچا پیر اور امام مسجد تھے انہوں نے اس نکاح کو مناسب سمجھ کر پڑھا دیا۔ نکاح خواں یہ احقر تھا۔ مجھ کو اس قصہ کی خبر ہی نہ تھی۔ میں نے معمولی امر سمجھ کر نکاح پڑھا دیا۔ شاہ صاحب اس نکاح کو معلوم کر کے گھبرا گئے۔ اور ناراض ہو گئے۔ مجھے خبر ہوئی۔ تو حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ خفا ہو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ کہ نکاح ہی کیا میانجیو صاحب نے کرایا۔ اور میں نے پڑھا۔ کوئی ناجائز کام تو نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا۔ مولوی! تجھ کو خبر نہیں۔ میں نے امیر اللہ شاہ کو اس جگہ نکاح کرنے سے منع کیا تھا۔ اس نادان نے یہ نہ سمجھا کہ ہم جو شرعی نکاح سے منع کرنے والے ہیں۔ آخر اس ممانعت میں کوئی راز ہوگا۔ اس نے پیر کے کہنے کا خیال نہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے۔ کہ میں دعا کر رہا ہوں۔ کہ اس کی نعمت اور فیض اس کے پاس رہے۔ مگر دریا کے دریا فیض کے اس کی طرف سے ہماری طرف آ رہے ہیں۔ خدا کی مرضی۔ مولوی! میں تم سے کہے دیتا ہوں کہ یہ عورت اس کے گھر میں نہ رہے گی۔ ادھر خلیفہ امیر اللہ صاحب بالکل کورے ہو کر مکھیاں مارنے لگے۔ روئیں بلبلائیں۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر بہت ہی عرض کیا۔ اور خلاف سنت وخلاف شرع غصہ ہونا بیان کیا۔ حضور نے معاف کر دیا۔ مگر دو

ماہ بلکہ زیادہ عرصہ میں خلیفہ صاحب اصل حالت پر آئے۔ اور اس عورت سے دو دن بھی اتفاق نہ ہوا۔ مجبوراً علیحدگی ہوئی۔ حضرت کا نافرمان کبھی حضور سے خطا معاف کرائے بغیر مراد کو نہ پہنچتا تھا۔ انتہےٰ بلفظہ۔

وصال مُبارک:

جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب لکھتے ہیں کہ خلیفہ امیر اللہ شاہ صاحب دعا فرمایا کرتے تھے۔ کہ الٰہی میری موت ماہ رمضان میں اور انبالہ میں زیر اقدام حضرت صاحب ہو۔ سو بحکم آنکہ مولانا گوید ؎ مے دہد یزداں مراد متقی۔ آپ بیمار ہو کر بوڑیہ سے انبالہ آئے۔ اور 1310ھ میں بعد عصر تسبیح درود شریف یا سبحان اللہ پڑھتے تھے کہ حالت نزع شروع ہوئی۔ اور یہ رات کے آٹھ بجے انتقال فرمایا۔ حضرت صاحب وقت پر حاضر تھے۔ جس وقت ان کے طائر روح نے قفس تن کو چھوڑا۔ تو صدائے اللہ اللہ بلند ہو گئی تھی۔ انتہےٰ۔

جناب مولوی سید ظہور الدین صاحب نے ایک پوسٹ کارڈ میں یوں لکھا ہے۔ حضور کی زبان مبارک سے 1894ء تک یہ یاد ہے۔ کہ حضور نے ایک مرتبہ عالم رؤیا میں دیکھا کہ آپ کے ہاتھ پر ایک آفتاب غروب ہو رہا ہے۔ امیر اللہ شاہ صاحب مرحوم بیمار تھے۔ حضرت نے مجھ سے فرمایا۔ کہ مولوی! امیر اللہ اس مرتبہ تندرست نہ ہوگا۔ بلکہ واصل بحق ہوگا۔ پھر یہ معاملہ بیان کر کے فرمایا۔ کہ مولوی! دراصل میرا تو خلیفہ ایک امیر اللہ شاہ ہی ہے۔ انتہےٰ۔ آپ کا مرقد مبارک انبالہ ہی میں ہے۔

بعد وصال کرامت:

حاجی غلام محمد صاحب سجادہ نشین نے راقم الحروف سے ذکر کیا۔ کہ خلیفہ امیر اللہ شاہ رحمۃ اللہ کے مزار مبارک کے متصل قاسم علی نمبردار انبالہ کی زمین ہے۔ نمبردار موصوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے کچھ فاصلہ پر مزار مبارک کی طرف منہ کر کے پیشاب کر دیا۔ میں اسی وقت اندھا ہو گیا۔ مجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ آخر کار میں نے نہایت عاجزی سے توبہ کی۔ تو بصارت بحال ہو گئی۔ نمبردار مذکور اس وقت زندہ ہے۔

2۔خلیفہ ہاشم شاہ صاحب

آپ ذات کے پٹھان۔ گندم رنگ ۔ قد مائل بدرازی۔ ذاکر شاغل صاحب نسبت تھے۔ ان سے بھی صدہا لوگوں نے اللہ کا نام پوچھا اور بیعت کی۔ مگر سکوت اور استغراق خلیفہ امیر اللہ شاہ جیسا نہ تھا مزاج ذرا جلال والا تھا۔ ان کا انتقال بھی میاں صاحب قبلہ کے روبرو ہوا۔ انا لِلّٰہ وانا الیہ راجعون۔

3۔خلیفہ الٰہی بخش صاحب

آپ ذات کے نجار تھے اور پیشہ نجاری کیا کرتے تھے۔ پہلے آپ کو سحر سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ حضرت صاحب کی صحبت کی برکت سے وہ شوق جاتا رہا۔ آپ کا اصلی نام اللہ دیا تھا۔ جب حضرت صاحب سے بیعت ہوئے۔ تو حضور نے تبدیل کر کے الٰہی بخش رکھا۔ آپ ان پڑھ تھے۔ مگر متقی و صالح تھے۔ ذکر و شغل میں بہت مشغول رہتے تھے۔ حتی کہ درود شریف ہر روز چوبیس ہزار بار پڑھتے۔ خلیفہ عبداللہ شاہ نے جو میاں صاحب قبلہ کے پیر بھائی تھے آپ کے لیے خلافت کی سفارش کی۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ اگر چہ یہ ذاکر شاغل اور مرتاض ہے۔ مگر فیض و نسبت ابھی خلافت کے لائق نہیں۔ تیرے کہنے سے خلافت دیتا ہوں۔ اجازت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نسبت و فیضان میں ترقی دی۔ بوجہ فنافی الشیخ آپ کی ظاہری صورت حضرت صاحب سے بہت مشابہ ہو گئی تھی۔

آپ اکثر سیاحت میں رہا کرتے۔ اور مزارات سے استفاضہ کیا کرتے تھے۔ اس طرح گجرات پنجاب میں پہنچ کر حضرت شاہ دولہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار سے خوب فیض حاصل کیا۔

اور صاحب تصرف ہوگئے۔ گجرات میں آپ سے بہت فیض ہوا۔ اور بہت لوگ آپ سے بیعت ہوئے۔ پھر وہاں سے حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضور سے اجازت حاصل کر کے حج کو گئے۔ اور حرمین شریفین کی زیارت کے بعد میاں صاحب قبلہ کی خدمت میں واپس تشریف لائے۔

وصال مُبارک:

شاہ صاحب قبلہ کے وصال کے تھوڑے دنوں بعد آپ نے ایک دفعہ فصد لگوائی اور حجام سے کہا کہ اگر خون نکلنے سے آرام ہوتا ہے۔ تو خوب گہرا نشتر لگاؤ۔ حجام نے ایسا ہی کیا۔ آپ کے بازو پر ورم ہوگیا اور اسی میں وصال فرمایا۔ انا لِلّٰہ و انا الیہ راجعون۔

حسب بیان صاحب ذکر خیر آپ کا ایک عجیب وغریب قصہ ہے۔ کہ جس روز ان کا وصال ہوا ہے۔ ایک صاحب کو ان کے مدفون ہونے کے بعد یہ حالت نظر آئی۔ کہ جب اُن کے پاس منکر نکیر آئے ہیں۔ تو ان کو دیکھ کر بہت ہی بیتاب ہوگئے۔ بلکہ بیہوش ہو کر گر گئے۔ اتنے میں حضرت شاہ صاحب کی روحانیت تشریف لائی۔ تو آپ کو ہوش آ گیا۔ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور زبان سے کچھ نہیں کہا۔ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی طرف اشارہ کر کے فقط اتنا کہا کہ میں آپ کا مرید ہوں۔ اور حضور شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ہاں میرا مرید ہے۔ اتنا کلام سن کر منکر نکیر واپس چلے گئے اور خلیفہ پر آثار مغفرت کے ظاہر ہوگئے۔ اور درود خوانی میں مشغول ہوگئے۔

4۔ مولوی محمد سلیمان صاحب سرسہ رانی

آپ ذات کے رائیں زمیندار ہیں۔ آپ کا وطن سرسہ اور رانیاں کے مابین موضع کنگن پور ہے جہاں آپ کی زمین اور سکونت ہے۔ آپ فقہ وحدیث میں کامل۔ ذاکر شاغل اور عالم باعمل ہیں۔ حضرت میاں صاحب قبلہ کی خدمت بابرکت میں چھ ماہ اور کچھ روز رہے۔ پھر اجازت وخلافت لے کر گھر چلے گئے۔ وہاں جا کر خلوت ومجاہدہ اختیار کیا۔ مدت تک نقاب پوش

رہے۔ پھر نقاب اتار دیا۔ اب تک زندہ ہیں۔ اور طالبان خدا کو ان سے فیض پہنچ رہا۔

5۔ حافظ سید سرفراز علی صاحب کاظمی

آپ کا وطن سکندر پور ضلع مین پوری ہے۔ آپ کو میاں صاحب قبلہ سے خلافت و اجازت ہے۔ علاوہ اس کے مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی نور اللہ مرقدہ سے بھی اجازت ہے۔ بوجہ سید ہونے کے میاں صاحب ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

6۔ حافظ عبدالرحمٰن صاحب قاری پانی پتی

آپ کو بھی میاں صاحب قبلہ سے اجازت و خلافت ہے۔ ایک روز میاں صاحب قبلہ حلقہ میں فرمانے لگے۔ سراج الدین! دیکھ حافظ کی طرف کیسا فیض جاری ہے۔ آپ کو پہلے مولوی سید غوث علی شاہ صاحب سے بھی فیض ہوا ہے۔ میاں صاحب قبلہ کے وصال کے بعد دستار خلافت آپ کو ملی۔ مگر فقراء کی ناراضی سے یہ اس منصب پر قائم نہ رہے۔

7۔ مولوی محمد صدیق صاحب پنجابی

آپ مرد وجیہ۔ ذاکر شاغل۔ عالم باعمل تھے۔ پنجاب میں آپ سے فیض جاری ہوا۔ اور بہت سے لوگ آپ سے مرید ہوئے۔

8۔ خان صاحب حاجی مظفر علی خاں صاحب مراد آبادی

حاجی احمد شاہ عرف مظفر علی خاں 1272ھ میں حضرت حافظ حاجی محمود جالندھری قدس سرہ سے بیعت ہوئے۔ اور 1299ھ میں ان سے خلافت و اجازت حاصل کی۔ بقول جناب مولوی سراج الدین احمد صاحب دہلوی خاں صاحب موصوف کو اجازت و خلافت حضرت مرشد میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی ہے۔ میاں صاحب علیہ الرحمۃ آپ کی تعظیم کو کھڑے ہو جایا کرتے تھے اور کھانا اپنے ہمراہ کھلایا کرتے تھے۔ ضلع حصار میں آپ کے بہت سے مریدین ہیں۔ آپ میاں صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سجادہ نشین بھی رہے ہیں۔ آپ نے اکانوے برس کی عمر میں بتاریخ 24 جمادی الاولےٰ 1338ھ مطابق 1920ء وصال فرمایا۔ مزار مبارک حصار میں ہے۔ میاں عبدالصمد خاں صاحب سجادہ نشین ہیں جو حضور صاحب کے لقب سے مشہور ہیں۔

کرامت:

خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ انسپکٹر پولیس تھے۔ آپ کی یہ کرامت عوام میں مشہور ہے کہ آپ کا گھوڑا بیگار کی گھاس نہ کھاتا تھا۔ اس کی نسبت قاضی فضل حق صاحب حال سب انسپکٹر حصار نے جو کچھ اپنے والد بزرگوار جناب مولوی حاجی قاضی فضل احمد صاحب پنشنر کورٹ انسپکٹر لودھیانہ کو اپنے خط مورخہ 21 اکتوبر 1935ء میں تحریر فرمایا ہے وہ یہ ہے۔ کہ میاں عبدالصمد خان صاحب نے فرمایا۔ کہ ایک مرتبہ پیر عبداللطیف صاحب پانی پتی (جو بعد میں انسپکٹر پولیس ہوئے۔ انبالہ سے پنشن لی اور فوت ہو گئے) کپتان صاحب کی پیشی میں تھے۔ کسی گاؤں میں خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی دورہ میں کپتان صاحب کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔ جیسا کہ عام قاعدہ ہے بیگار میں گھاس آئی ہوئی تھی۔ وہ آپ کے گھوڑے کے آگے ڈال دی گئی۔ تو اس نے نہ کھائی۔ پیر جی صاحب کو خیال ہوا کہ شاید گھوڑا بیمار ہے۔ انہوں نے حضرت صاحب سے رپورٹ کی۔ آپ نے فرمایا کہ ایسا نہیں اور پوچھا کہ یہ گھاس کہاں سے لائی گئی ہے۔ معلوم

ہونے پر آپ نے فوراً اس بنئے کو طلب فرمایا اور گھاس کی قیمت ادا کی۔ پھر فرمایا کہ اب ڈال دو۔ چنانچہ گھوڑا وہ گھاس کھانے لگ گیا۔ میاں عبدالصمد خاں صاحب نے اس ضمن میں مزید فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے سامنے علاقہ حصار کے بہت سے ہندو مل کر آئے اور خاں رحمۃ اللہ علیہ کی شکل دیکھتے ہی کہنے لگے۔ ”وہ تو وہی ہے جس کے گھوڑے نے مفت کی گھاس نہیں کھائی تھی۔“ میاں صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ حضور نے خود تو کبھی کوئی ایسی بات نہیں فرمائی تھی۔ جب پوچھا بھی جاتا تھا۔ تو فرمایا کرتے تھے کہ یہاں لوگ یونہی اڑا دیا کرتے تھے۔

9۔ مولوی محبوب عالم صاحب گجراتی

آپ کا وطن موضع سیدا لتحصیل پھالیہ ضلع گجرات پنجاب تھا۔ علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے آپ ہندوستان گئے۔ اور فارغ التحصیل ہو کر مدرسہ اسلامیہ کرنال میں مدرس مقرر ہوئے۔ حضرت صاحب کے فقر کا آوازہ سن کر کرنال سے حاضر خدمت ہوئے۔ اور بیعت ہو کر واپس چلے گئے۔ پھر تین مہینے کے بعد ملازمت سے مستعفی ہو کر انبالہ چلے آئے۔ یہاں آپ کے آنے پر مدرسہ تو کلیہ جاری ہوا۔ اور آپ گیارہ برس حضرت صاحب کی خدمت میں رہے۔ آپ سے نواحی گجرات میں بہت فیض ہوا اور بہت سے لوگ مرید ہوئے۔ آپ نے حضرت صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات میں کتاب ذکر خیر لکھی ہے۔ رمضان 1917ء میں آپ کا وصال ہوا۔

10۔ حکیم معزالدین صاحب دہلوی

آپ نے بارہ برس کی عمر میں حاجی دوست محمد قندھاری خلیفہ جناب شاہ احمد سعید صاحب مجددی دہلوی سے بیعت کی تھی۔ حضرت حاجی محمود جالندھری قدس سرہ سے فیض اٹھایا۔ مگر زیادہ فیض حضرت میاں صاحب قبلہ سے ہوا۔ آپ میاں صاحب علیہ الرحمۃ پر جان و مال قربان کرنے والے۔ ذاکر شاغل۔ رقیق القلب تھے۔ مزاج پر جلال غالب تھا۔ میاں صاحب

نے آپ کے حق میں فرمایا تھا کہ تجھے دین و دنیا دونوں ملیں گے۔ چنانچہ ابتداء میں آپ پر کچھ عسرت و تنگی معاش رہی۔ مگر آخر میں خوب ترقی ہوئی۔ ان کا مرقد انبالہ ہی میں ہے۔

11۔ حافظ قاری سید اکرام حسین صاحب نقوی کرنالی

آپ قاری خوش الحان اور پابند اوراد ہیں۔ حضرت میاں صاحب قبلہ نے اپنے مرض موت میں آپ کو اللہ کا نام بتانے کی اجازت دی جیسا کہ خود آپ نے ہی اپنی کتاب کمالات توکلی (کمال 71) میں لکھا ہے۔ انبالہ میں لوگ آپ سے مرید ہیں اور فیض جاری ہے۔

12۔ مولوی سراج الدین احمد فاروقی دہلوی

آپ نے اپنا حال خود اپنے قلم سے یوں تحریر فرمایا ہے:

اس خاکسار کو اجازت بیعت وکالتاً ہے۔ چنانچہ دہلی اور ٹھسکہ میرانجی میں اکثر زن و مرد نے اس خاکسار کے ہاتھ پر وکالتاً بیعت کی۔ اور ذکر و شغل وغیرہ کی تلقین کی اجازت اصالتاً ہے۔ اس عاجز کو حضور نے پہلے عالم رؤیا میں 1872ء میں دہلی میں اور 1873ء میں لاہور میں بیعت کیا۔ پھر عالم ظاہر میں انبالہ میں بیعت کیا۔ یہ بندہ مثل یوسف علی صاحب اور حکیم جی (معز الدین) کے حضور میاں صاحب کا منظور نظر تھا۔ حضور اکثر میری گستاخی کو بھی معاف کر دیتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اس کی باتیں مستانہ ہیں۔ میاں صاحب کی حالت جلال میں سب اُٹھ کر بھاگ جاتے تھے۔ مگر بندہ بیٹھا رہتا تھا۔ عرصہ 25 سال سفر میں و حضر میں حضور کے ہمراہ رہا۔ اور 1893ء سے بہ سبب ملازمت مدرسی تین سال کامل حضور انور سے توجہ لی۔ لطائف خمسہ ولایت صغریٰ اور موسوی و محمدی ولایت کا فیض بھی فقیر پر القاء کیا ہے۔ کوئی سردار یا مکاشفہ کی بات بندہ سے مخفی نہ کرتے تھے۔ اور میرے خواب کی بابت فرماتے کہ جو بات اولیاء کو مراقبہ میں کھلتی ہے وہ اسے خواب میں کھلتی ہے۔ اور فرمایا کرتے۔ کہ حکیم معز الدین اور سراج

الدین فیض کی خوب کشش کرتے ہیں۔

میری بابت چند امور بطور بشارت کے فرمائے تھے۔ ان میں کچھ وقوع میں آئے اور بعض کا امیدوار ہوں اول تو فرمایا کہ ہماری روح تجھ سے خواب و بیداری میں ملا کرے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دوئیم فرمایا۔ کہ درود شریف جہر سے پڑھا کر۔ تجھ پر جذب وارد ہوگا۔ چنانچہ اثناء درود خوانی میں بندہ کو کبھی کبھی جذب در قت ہوتی ہے۔ **1311**ھ میں فرمایا۔ کہ مولوی! ہم نے اس وقت دیکھا۔ کہ تیرے ہاں کڑی منڈا (لڑکی لڑکا) سوہنا پیدا ہوا ہے اور تو کھلا رہا ہے۔ اور فارغبالی دنیا کی از حد دیکھی۔ اور تیرے سر پر نور برستا دیکھا سو **1314**ھ میں بندہ کے گھر لڑکی اور **1315**ھ میں لڑکا پیدا ہوا مگر گزر گیا۔ باقی اور بشارات کا امیدوار ہے۔ انتہٰی بلفظ۔
آپ کا سنہ وفات مجھے معلوم نہیں۔

13۔ میر یوسف علی شاہ صاحب دہلوی

آپ حضرت صاحب کے شیدائیوں میں سے تھے۔ حضرت صاحب نے بارہا فرمایا۔ کہ یوسف شاہ! تو لوگوں کو اللہ کا نام بتایا کرو۔ اور کرتہ اور لونگی بھی مرحمت فرمائی۔ اور اکثر چھاؤنی انبالہ کے لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ تم یوسف شاہ کی صحبت میں بیٹھا کرو۔ مگر آپ بوجہ انکسار کسی کو بیعت نہ کرتے تھے۔ آپ خانقاہ شریف کے متولی تھے۔ اور ہر سال حضرت صاحب کا ختم شریف نہایت عمدگی سے کراتے تھے۔

14۔ سائیں مغلی شاہ

آپ نے پہلے فوج میں بھرتی ہونے کی بہت کوشش کی۔ چنانچہ اسی غرض سے سیالکوٹ۔ ہانسی۔ بھرت پور۔ کانپور گئے۔ مگر سب جگہ سے ناکام واپس آئے۔ آخر انبالہ میں حضرت صاحب سے بیعت ہوئے۔ حضرت صاحب نے آپ کا نام تبدیل کر کے عبدالکریم رکھا۔ آپ

نے حضرت صاحب کی خدمت ایسی کی ہے کہ شاید کوئی کرتا۔ حضرت صاحب بیت الخلا میں تشریف رکھتے ہیں۔ مغلی شاہ لوٹا لئے کھڑے ہیں۔ گھنٹے گزر گئے۔ پاؤں سوج گئے۔ زخم پڑ گئے۔ اور دل میں یہ خواہش کہ جو کام ہو وہ میں ہی کروں اور میاں صاحب مجھ سے ہی لیں۔

جناب مولوی حاجی سید ظہور الدین صاحب انبہوی نے آپ کا حال یوں تحریر فرمایا ہے۔ بھائی مغلی شاہ خاص خادم تھے۔ استنجاء اور وضو کے لیے پانی لانا ذرا بدن دبانا ان کی خدمت تھی۔ رات بھر جاگتے تھے۔ آپ کو حضور سے اس قدر محبت تھی کہ مسواک دماغ میں زور زور سختی سے مار کر خون نکال لیتے تھے تاکہ آنکھ نہ لگ جائے۔ اللہ اکبر! مغلی شاہ جب آئے۔ تو بڑے زبردست لحیم شحیم قد آور شخص تھے ایک دو مٹکا پانی کا باہر کے کنویں کا لاتے تھے جو معمولی آدمی سے ہلتا تک نہ تھا۔ آخر میں نحیف جثہ ہو گئے۔ آپ گھر کے زمیندار تھے۔ بہت مرتبہ گھر سے رشتہ دار بلانے کے لیے آتے تھے۔ آپ جواب دے دیا کرتے تھے۔ کہ میں تو اسی در کا ہولیا۔ تم جانو تمہارا کام۔ حالانکہ حضور شاہ صاحب سے اجازت تھی کہ جب چاہو اپنے گھر جاؤ۔ مگر محبوب کی جدائی کب گوارا ہو سکتی ہے۔ آخر اسی درِ محبوب پر دم دے دیا حضور کے بعد مغلی شاہ جانشین ہوئے۔ حج کیا اور درِ محبوب کی خوب جاروب کشی کی۔ مجھ احقر سے محبت کرتے تھے۔ جب مجھ کو ملتے تھے۔ میرے ہاتھ بلکہ پاؤں تک چومنا چاہتے تھے۔ میرے باز رکھنے پر فرمایا کرتے تھے۔ کہ تیرے ہاتھ کس طرح نہ چوموں۔ تو میرے محبوب کا پیارا ہے۔ آخری وقت تک حضور کے دربار میں خدمت کر کے حضور کے در کے سامنے لیٹ گئے۔ اندر ہی آپ کا مزار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کی بارش برسائے۔ آمین۔ انتہیٰ بلفظہ۔

خلفاء مذکور بالا کے علاوہ حضرت میاں صاحب قبلہ کے اور بھی خلفاء ہیں۔ مثلاً محمد علی شاہ صاحب لانگری۔ مولوی عبدالرحیم شاہ صاحب مسکین۔ جعفر شاہ صاحب کملی پوش۔ حافظ عبدالرحمٰن صاحب پنجابی۔ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب سہارنپوری وغیرہ۔ ان تمام خلفاء میں سے بقول مولوی سراج الدین صاحب پہلے آٹھ کو اجازت تامہ ہے۔ یعنی بیعت کرنے اور تعلیم و تلقین اذکار کی اجازت اصالتاً ہے۔ باقی سب کو بیعت کرنے کی اجازت وکالتاً اور تلقین اذکار کی اصالتاً ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مولف کتاب

راقم الحروف علی گڑھ کالج سے ایم۔اے (عربی) کی ڈگری حاصل کر کے 1310ھ مطابق 1893ء میں چھاؤنی انبالہ میں ہندو محمدن سکول کا ہیڈ ماسٹر عارضی طور پر مقرر ہو کر آیا۔ اس موقع کو غنیمت سمجھ کر بتعمیل ارشاد والد بزرگوار جو آستانہ جہانخیلاں شریف کے ارادتمندوں میں سے تھے میں بغرض بیعت حضور قبلہ میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ سے پہلے ہی دریافت کیا کہ تمہارے والد کس کے مرید ہیں۔ میں نے عرض کر دیا تو فرمایا کہ آ جاؤ۔ اپنا ہی گھر ہے۔ اور مجھے فوراً بیعت کر لیا۔ میں چھاؤنی سے حاضر ہوتا رہا۔ چند ماہ کے بعد بورڈ سکول دہلی میں چلا گیا۔ جب وطن کو آتا۔ تو حاضر خدمت ہوتا۔ پھر 1896ء میں بورڈ کالج امرت سر میں تبدیل ہو گیا۔ میں وہیں تھا کہ حضرت صاحب کا وصال ہو گیا۔ جب میں ملازمت سرکاری سے سبکدوش ہو گیا تو حضرت خواجہ عبدالخالق" نے بتقریب عرس حضرت شمس العرفان خواجہ قادر بخش" مجمع کثیر میں میری دستار بندی کی اور فرمایا کہ میں حضرت خواجہ توکل شاہ کی طرف سے ان کو خلافت دیتا ہوں۔ راقم الحروف نے واقعہ میں حضرت شاہ صاحب سے دریافت کیا کہ کیا آپ نے مجھے خلافت دے دی؟ فرمایا کہ ہاں۔ اس طرح شیخنا العلامہ مولانا مولوی مشتاق احمد صاحب انبہٹوی چشتی صابری نے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں مجھے خلافت سے سرفراز فرمایا۔ یہ ان بزرگوں کی محض ذرہ نوازی تھی۔ ورنہ یہ ننگ خلائق جس کی تمام عمر معصیت اور ہوا و ہوس میں گزری اس عنایت کا ہرگز مستحق نہ تھا۔ برادر عزیز چودھری محمد سلیمان صاحب کے اصرار پر یہ چند کلمے لکھ دئے ہیں۔ میں اس لائق کہاں کہ اکابر مشائخ کے ذیل میں اپنا نام لوں۔ اللہ تعالیٰ ریاء و عجب و کبر سے بچائے اور خاتمہ بالایمان نصیب کرے۔

❋❋❋